اس شمارے میں

نقش آغاز

دعوات عبدیت حق

مقالات

تاثرات

ہمارے اسلاف رح

یادِ رفتگاں

تاریخ و سیر

ادبیات

تنقید و محاسبہ

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۱ — شمارہ نمبر ۸

محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

مئی ۱۹۶۶ء

سالانہ ۵ روپے ۵۰ پیسے

فی پرچہ پچاس پیسے

غیر ممالک
سالانہ ۱۶ شلنگ

کتابت: اصغر حسن

سمیع الحق (استاد دارالعلوم حقانیہ) طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔
ملکیت دارالعلوم حقانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

اسلامی معاشرہ کی عمارت جن بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ ان میں اہم ترین مقام حیا کا ہے۔ یہاں تک کہ حضورؐ نے حیا کو آدھا ایمان اور ایک روایت میں پورا ایمان قرار دیا ہے۔ (احیاء ایمان کلہ) اسلام ہرگز کسی ایسی سرگرمی کی اجازت نہیں دیتا جسکی زد اس بنیادی نقطہ حیا پر پڑتی ہو۔ مسلمان قوم جب تک حیا کے زیور سے آراستہ رہے گی، اسکی انفرادی اور اجتماعی زندگی اُن روایات و اقدار پر قائم رہے گی جو اسے اپنے دین میں اپنے پیغمبرؐ سے ورثہ میں ملی ہیں۔ اور پورا معاشرہ اطمینان اور ترقی کے خطوط پر رواں دواں رہے گا۔ لیکن اگر حیا اور عفت کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی پڑگئی، مسلمانوں میں غیرت حمیت عصمت اور پاکبازی کی بجائے بے حیائی اور شہوانی جذبات سرایت کر گئے تو سمجھئے کہ اب پورا معاشرہ ذلت و بربادی کے اتھاہ گڑھے میں جانے لگا ہے۔ اور لازمی طور پر اس کا نتیجہ اسلامی ورثہ کی ضیاع، قومی شعور کے فقدان، معروف سے نفرت اور منکرات و فواحش کی محبت غرض ایک ایک ملی و قومی متاعِ گرانمایہ سے محرومی اور بربادی کی شکل میں سامنے آنے لگے گا۔ پوری قوم اباحیت اور لذتیت بلکہ حیوانیت اور شیطنت کی شکار ہو کر رہ جائے گی۔ نہ قومی کیریکٹر کا پاس رہے گا۔ اور نہ اسلام کے امتیازی اوصاف کا لحاظ منکرات اور فواحش، جنسی ہوس کی تسکین کے لئے شر و فساد، ضیاعِ حقوق اور بربادی عفت و عصمت کا میدان گرم اور پورا معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ آج ہمارے ملک کی اکثریت ان مہلک نتائج کا سامنا کر رہی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تہذیب و ثقافت آرٹ اور کلچر یہاں تک کہ تعلیم اور تربیت کے نام سے بے حیائی کی گرم بازاری ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے ہیں۔ یا ثقافتی مراکز، نجی مجالس ہیں یا استقبالی تقریبات، اخباری صحافت ہے۔ یا قومی اجتماعات، اشاعتِ فاحشہ کی اس دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں، اور قوم کی غالب اکثریت ہے۔ کہ اس نام نہاد تہذیب و تمدن کی چمک دمک، لذتیت اور نفس پرستی کے اس سیلاب میں غرق ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی اہم شعبہ نہیں جس پر مرد و زن کے بے محابا اختلاط، رقص و سرود، ناچ گانے اور راگ و رنگ کی صورت میں بے حیائی کا تسلط نہ ہو چکا ہو۔ اور جس کے نتیجہ میں اُن تمام اخلاقی روایات اور ملی احساسات کا خون نہ کیا جا رہا ہو، جو ایک مسلمان قوم کی ترقی اور بقاء کے لئے ریڑھ کی ہڈی سے زیادہ اہم ہیں۔ اسلام کے اس عظیم ورثہ اور قومی و ملی احساسات سے غفلت اور بے پرواہی کی افسوسناک مثال پچھلے دنوں صدر بوشاؤپی کے استقبال کے وقت مسلمان لڑکیوں کا سڑکوں پر بے پردہ رقص و سرود اور ناچ گانوں کی شکل میں سامنے آئی جس نے ایک طرف ہمارے ملی تقدس کو داغدار کیا تو دوسری طرف یہ تلخ حقیقت

بھی آشکارا کر دی کہ ہماری تعلیم گاہوں میں نئی پود کو کس ڈگر پر تیار کیا جا رہا ہے ۔۔۔ ایک عظیم ہمسایہ ملک کے عظیم صدر اور نازک ترین اوقات میں مدد دینے والی "حلیف قوم" کے اس معزز نمائندہ کی پذیرائی جتنی بھی گرمجوشی، خلوص اور محبت سے ہوتی اور دیدہ و دل بھی فرش راہ کر دئے جاتے تو ہمیں خوشی ہوتی کہ ہم دیوارِ چین اور سدِ سکندری کی طرح ان دوستانہ روابط کے استحکام کے خواہاں ہیں۔ لیکن ایک باشعور اور حساس قوم زمانہ کے ساتھ چلتے ہوئے بھی کبھی اپنے اس اصول اور کردار میں غفلت نہیں برتتی جس پر اسکی انفرادیت کا مدار ہوتا ہے۔ خود عظیم چینی قوم ایک نظریہ کی دعویدار ہے۔ وہ کمیونزم پر ایمان رکھتی ہے۔ اور اپنے اصول و نظریات پر اسکی پختگی کا یہ عالم ہے کہ اسکی نظروں میں سویٹ یونین (جہاں یہ مذہب پھلا پھولا) تک کی کمیونزم سے وفاداری مشکوک ہے۔ اور چاہتی ہے کہ روسی عوام بھی ان اصول و نظریات پر شدت سے گامزن رہیں جو ان کے "شیخین" کارل مارکس اور لینن نے ان کیلئے متعین کئے چینی قوم کی اپنے نظریہ اور اختیار کردہ ازم کے بارہ میں یہی شدت اور مضبوطی ہے جس نے آج چین کو دنیا کی سیاست میں ایک اہم مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہمارے ہمسایہ میں بھارت ہے جہاں کی اقتدار عہد و پیمان کی پاسداری عدل و انصاف کی رعایت غرض اخلاق و شرافت کے تمام اصولوں سے عاری سہی مگر جب ان کی وزیراعظم مس اندرا گاندھی کو واشنگٹن کی ایک مجلس میں ناچنے کو کہا گیا تو اس نے ایک اجنبی قوم کے سامنے اپنے قومی وقار کی پاسداری کرتے ہوئے یہ خواہش رد کر دی اور کہا کہ "میرے ملک کے عوام اسے پسند نہیں کریں گے"۔

غرض ہمارا ملی اور قومی وقار تہذیبی ورثہ اور کردار کی بلندی تب محفوظ رہ سکتی ہے کہ ہم ملی اور قومی مفادات کیلئے ہر قسم کی پالیسی اپنانے میں آزاد رہیں جس سے چاہیں دوستی کے رشتے استوار کریں۔ اسطرح ہم دیگر اقوام پر اپنے کردار کی پختگی اور قومی عظمت کی دھاک بٹھا سکیں گے۔ اور اگر وقتی جذبات کے لاوے میں یہ قوم اسی طرح بہتی رہی تو خدانخواستہ خطرہ ہے کہ قانون "عروج و زوال" کا لافانی رد عمل پوری قوم کو خس و خاشاک کیطرح بہا نہ لے جائے اور کہیں "اشاعتِ فاحشہ" کا وبال "عذاب عظیم" کی صورت میں نمودار نہ ہو۔ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لہم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ ۔

مغربی پاکستان کے بچوں کی بہبود کونسل کی چیرمین بیگم وقار النساء نون نے بتایا ہے کہ کونسل عنقریب "بن باپ" بچوں کو پالنے کیلئے ایک پرورش گاہ قائم کرے گی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ہسپتالوں میں کام کی کثرت کی وجہ سے ان کی پرورش کی طرف مناسب توجہ نہیں دی جا سکتی۔ جو بچے ہسپتالوں میں پیدا نہیں ہوتے ان کی لاشیں سڑکوں پر پڑی پائی جاتی ہیں۔ مجوزہ پرورش گاہ بن باپ کے ایسے بچوں کے مسائل حل کرنے میں پوری مدد دے گی۔ اور آئندہ یہ بچے پاکستان کے شریف شہری ثابت ہو سکیں گے۔ (۱۹ اپریل کے اخبارات) کتنی اچھی

تجربہ ہے ! آخر جب شہر شہر گلی گلی خاندانی منصوبہ بندی کے سنٹر کام میں مشغول ہونگے صحافت و ثقافت کے تمام وسائل اس "صلائے عام" کیلئے وقف ہونگے، ادب اور سیاست کی سٹیج پر اس موضوع کے مذاکرات اور مباحثوں کا بازار گرم رہے گا اور قوم کا بدقسمت طبقہ اس پرجوش دعوت کی لذت آفرینیوں میں ڈوب جائے گا۔ تو یقیناً اس کا ظہور اس "ناجائز برآمد" کی صورت میں ہونے لگے گا۔ اب لازماً ایک ایسی پرورش گاہ بھی چاہیئے جس میں ملک بھر کی یہ "حرام پیداوار" ٹھکانے لگ سکے تاکہ انہیں آگے چل کر مستقبل کے شریف پاکستانی شہریوں کے سانچہ میں ڈھالا جاسکے یہ سینٹر اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ جو ماں باپ اس ناجائز کھیپ کی درآمد کے ذمہ دار ہیں اس کے ذریعہ وہ تربیت اور معاشرتی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش ہوں کہ دوبارہ پوری یکسوئی سے فیملی پلاننگ کے مراکز کی رونق برقرار رکھ سکیں۔ اگر کونسل ایسی "پرورش گاہ" کی افادیت محسوس کرتی ہے تو چند اک مراکز سے کام نہ چلے گا۔ ضرورت ہے کہ ہر اس شارع عام اور آبادی میں ایسی پرورش گاہ قائم کی جائے جہاں خاندانی منصوبہ بندی کا سینٹر قائم ہوچکا ہو اسطرح ایک سے دوسرے کی رونق دوبالا ہوتی رہے گی اور پہلو بہ پہلو رہ کر برتھ کنٹرول کا کاروبار بھی خوب چمک اٹھے گا۔ سبحان اللہ ! تاریخ پاکستان کا بدترین المیہ اور شرمناک باب۔ حلال پیداوار کو تو آنے سے پہلے روک دو اور حرام پیداوار کی کفالت و تربیت کیلئے پرورش گاہیں اور مراکز قائم کرو۔

عراق کے صدر عبدالسلام عارف کی شہادت عالم اسلام کے لئے عظیم المیہ ہے وہ عبقری شخصیتیں جو مسلمانوں کو یورپی استعمار اور سامراجی سازشوں سے بچانے میں اہم مقام رکھتی ہیں — یقیناً ان کی جدائی ملتِ اسلامیہ کی مشترکہ ضیاع اور خسران ہے۔

پچھلے ہفتہ ہمارے ملک کو جلالۃ الملک فیصل فرمانروائے سعودی عرب کی آمد کا شرف حاصل ہوا شاہ فیصل اس سرزمین کے والی ہیں جس سے ملتِ پاکستانیہ والہانہ محبت رکھتی ہے۔ جہاں سے اسلام کی روشنی پھیلی اور جہاں سے امن و سلامتی کا سچا درس دیا گیا۔ پھر جب شاہ فیصل "اتحاد عالم اسلامی" کا مشن لیکر آئیں تو لازماً انکی تشریف آوری پاکستان کیلئے بہت بڑی مسرت اور سعادت ہوگی۔ ہماری دعا ہے۔ کہ "اتحادِ اسلامی" کی یہ کوششیں صحیح معنوں میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی اور استبداد و استعمار کے تاریک عزائم کی ناکامی کا باعث ہوں۔ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ عالم اسلام ایک بار پھر متحد ہو کر دیو استبداد اور سامراجیوں کے لئے بنیان مرصوص ثابت ہو۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

ع۔ا۔س

امام حسینؑ کا ماتم؟

امام حسینؑ کے متبعین اور محبت رکھنے والوں کی کثرت تعداد کا کیا ٹھکانا؟ اکناف عالم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں امام عالی مقام کا نام اجنبی ہو، امام حسینؑ کا نام آتے ہی لوگوں کے دل فرط احترام وعقیدت سے جھک جاتے ہیں۔ آج خوارج کا ہنگام فرقہ شاذ و نادر بن کر کالعدم ہو چکا ہے۔ بہتر اسی کروڑ مسلمانوں کا بحر ذخار اور کہاں عمان کے چند قبائل کی چھوٹی سی جمعیت۔ ہر مسلمان چاہے اہل سنت ہو یا اہل تشیع آج مسلک حسینی پر گامزن ہونے کو باعث سعادت سمجھتا ہے۔ اور حسینؑ کا پیرو کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

لیکن بایں ہمہ امام حسینؑ کے نام سے جتنی محبت کی جاتی ہے، کتنے دل ہیں جو مسلک حسین کیلئے اپنے دل میں سچی تڑپ رکھتے ہیں۔ اگر اس امر کا جائزہ لیا جائے تو بہی مایوس کن نتائج سے دوچار ہونا پڑیگا۔ ہم اہل بیت کی محبت کے اظہار میں نادان دوستوں کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ اور ہماری مثال اس روایتی احمق دوست کی بن چکی ہے۔ جو اپنے دوست کے چہرے سے تھپڑ رسید کرکے مکھی بھگانا چاہتا تھا۔ یہ محرم کے جلوس یہ عزا داران امام عالی مقام کا ہجوم، یہ یاد حسین میں نالہ و شیون اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل بے پناہ کیا ہے، ہم اپنے زعم میں امام کی روح کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن حقیقۃً خاک کربلا کی نورانی آغوش میں محو استراحت نواسۂ رسول کی روح آج ہم سے نالاں ہے۔ امام حسین کل بھی مظلوم تھا اور آج بھی مظلوم ہے۔ کل بھی اپنوں کی تلوار نے رگ گلو کاٹی تھی اور آج بھی اپنے نام لیوا سوہان روح بن رہے ہیں۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ جن اپنوں نے حسینؑ کے گلے پر چھری چلائی تھی وہ دشمنوں کی صف میں شامل تھے۔ لیکن آج جو روح حسین کو تڑپا رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو عقیدت مند ظاہر کر رہے ہیں ؎

ہر کس از دست غیر نالہ کند　　　سعدی از دست خویشتن فریاد

اس خون آلود باب کو آنسوؤں کی بارش اور سرد آہوں کے ہجوم میں پڑھتے پڑھتے تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں۔ اور سورج کروڑوں بار طلوع و غروب کے ضابطہ و پروگرام پر عمل پیرا ہوتا رہا ہے۔ لیکن چرخ ہفتمیں سے ٹکرانے والی چیخیں آہوں کے دھوئیں سے بننے والا آٹھواں آسمان آنسوؤں کا قلزم ہمیں نہ تو پسماندگی کی دلدل سے نکال سکا۔ اور نہ عروج و ارتقاء سے ہمکنار کر سکا۔ ذلت و ادبار کے بادل آج تک ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ ہمارے گرد و پیش تاریکی کی ظلمتیں محیط ہمارا قدم بڑھتا ہے تو منزل کی طرف اور آنکھیں کھلتی ہیں تو منزل مقصود کو پانے کی بجائے اشارا ستہ گم کر دیتی ہیں۔ ●

دعوات عبدیتِ حق
سلسلہ ۶

از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ
(ضبط و ترتیب ادارہ الحق)

مقامِ شہادت
سنہ ہجری کے پہلے مہینہ کا سبق

(خطبہ جمعۃ المبارک محرم الحرام ۱۳۸۵ھ)

گذشتہ سے پیوستہ

اس مہینے کا دوسرا سبق حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی اللہ کی راہ جان کی قربانی دینا ہے۔ سیدنا حسن و سیدنا حسین دونوں حضورِ اقدس کی دختر مبارک خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء کے بیٹے اور حضور کے جگر گوشے ہیں نواسے ہیں جن کے ساتھ حضور کی خاص محبت و شفقت تھی۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس خطبہ جمعہ دے رہے تھے۔ یہ بچے جو تین چار سال کی عمر کے تھے۔ کھیلتے کودتے سامنے آئے، اپنے نانا کے پاس منبر کی طرف آنے لگے۔ اور چلنے میں گرتے پڑتے، تمام صحابہ کا دل پریشان ہے۔ کہ کہیں گر کر انہیں چوٹ نہ آجائے۔ ادھر خطبہ کی طرف دھیان ہے۔ حضورِ اقدس منبر سے اتر کر ان کے پاس تشریف لائے۔ گود میں اٹھایا اور فرمایا کہ یہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ سیدا شباب اہل الجنۃ حضرت حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے اس بچے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں کو خونریزی سے بچائیں گے۔ یہ حضرت معاویہ کے ساتھ ان کے صلح کرنے اور خلافت سے دستبردار ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ چنانچہ یہی پیشگوئی تھی کہ فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ اور طرفین خونریزی کے لئے تیار تھے۔ کہ حضرت حسن نے معاویہ کے ہاتھ بیعت کی اور صلح کو آمادہ ہوئے کہ حضورِ اقدس کی امت کا خون بہنے سے بچ جائے۔ حضرت کے ساتھیوں کو اس فیصلہ سے ناگواری ہوئی۔ مگر انہوں نے اپنے نانا مبارک کی یہی پیشگوئی ان کو سنائی اور انہیں مطمئن فرما دیا۔ الغرض حضور کی ان کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا۔ کہ خطبہ کے دوران ان کو اٹھایا کہ کہیں انہیں تکلیف نہ

ہو جائے خطبہ کی حالت ایک خاص حالت تھی اور مسئلہ یہ ہے کہ خطبہ کے دوران سلام بھی نہ کیا جائے اور نہ سلام کا جواب دیا جائے۔ اسی طرح کوئی اذان دے رہا ہو یا تلاوت قرآن ہو رہی ہو تو سلام نہیں کرنا چاہیئے۔ نیز اگر کوئی شخص جوا کھیلنے یا دوسرے کسی گناہ میں مشغول ہو اسکو بھی سلام نہ کریں۔ پیشاب یا رفع حاجت کے دوران پاخانہ میں سلام اور رد سلام مناسب نہیں کسی شخص کے برہنہ ہونے (یعنی بدن کا وہ حصہ کھلا ہو جس کا چھپانا واجب ہے۔) وہ گناہ میں مبتلا ہے۔ تو اسکو بھی سلام کرنا جائز نہیں۔ آجکل مردوں میں یہ دباء عام ہے کہ وہ رانوں کو ننگا رکھتے ہیں۔ حالانکہ مرد کے بدن کا ناف سے لیکر گھٹنوں تک کا حصہ اور عورتوں کا سارا حصہ عورت ہے۔ اور اس کا چھپانا واجب ہے۔ بدقسمتی سے آجکل تمام نوجوان کرکٹ، فٹ بال ہتی اور کبڈی وغیرہ کھیلتے ہوئے اپنی رانوں کو کھلا رکھتے ہیں۔ جو ناجائز ہے ـــــ

شرم وحیا کا سرے سے وجود ہی نہیں رہا۔ اور مسلمانوں پر دین کی یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی گراں گذرتی ہیں۔ بے شک مسلمان ورزش کرتا ہے، جنگ وجہاد کے لئے ہر وقت تیاری کرے مگر گناہ کے طریقوں سے نہیں کہ مخلوط بیچ ہوں اور ستر کے واجب اعضاء کا لوگوں کے سامنے مظاہرہ کریں۔ یہ نہ تو ورزش ہے اور نہ جہاد کی تیاریاں بلکہ بے حیائی اور نفس پرستی کے مظاہرے ہیں۔

غرض اس مہینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی قربانیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس مہینہ اور اس کے آغاز ہی کے ساتھ سیدنا حضرت حسین نے بہتر ساتھیوں سمیت دین کی حفاظت اور ایک سنت کے بقاء کی خاطر مال ودولت ملک اور وطن کو چھوڑا ـــــ خانوادۂ رسالت کے معصوم بچے اور دیگر افراد ساتھ ہیں۔ اور بالآخر کربلا کے میدان میں حق کی خاطر جان کی بازی لگاتے ہیں۔ حضرت حسین کی یہ عظیم قربانی اور شہادت کا واقعہ ساری امت کے لئے قابل رشک اور قابل فخر کارنامہ ہے۔ دسویں محرم کو پیش آیا۔ حضور اقدس کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تاریخ پر پچھلی امتوں پر بھی رجوع بالرحمۃ فرمائی۔ آئندہ بھی بعض اقوام پر اسی دن رحمت فرمادیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پہاڑ پر اسی دن ٹھہری۔ فرعون مع لاؤ لشکر اسی دن بحیرۂ قلزم میں غرق ہوا۔ اور حضرت موسیٰ کو فرعون سے آزادی ملی۔ علماء تاریخ نے انبیاء کے تقریباً تمام واقعات کا اس دن ظاہر ہونا نقل کیا ہے۔ ویتوب فیہ علی قوم آخرین۔ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے۔ کہ جو بھی اس دن برے اعمال سے تائب ہوا، روزہ رکھا، عبادت کی، بدعملی ترک کی، اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس دن ایک روزہ کی فضیلت اتنی آئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض پچھلے تمام سال کے وہ گناہ

معاف کر دے گا جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ یعنی حقوق العباد کے علاوہ جو بغیر ادا کرنے کے معاف نہیں ہو سکتے۔ حدیث کے اس ظاہری مطلب کے علاوہ علماء فرماتے ہیں۔ کہ اس میں حضرت حسین کی شہادت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بہت بڑا احسان وکرم کیا کہ انہیں شہادت کا مقام دیا۔ اپنے جان خویش واقارب کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی توفیق دی۔ امت میں ان کے ذریعہ اعلاء حق کے لئے قربانی کی ایک مثال قائم کر دی کہ جان قربان ہو مگر دین کے دامن پر کسی ایسے عمل کا دھبہ نہ لگ جائے جس کا ثبوت حضور اقدس اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں نہ ہو تو اس ماہ کا یہ عبرت انگیز واقعہ ہمیں جہاد کی تعلیم دیتا ہے۔ جس طرح ہمیں ہجرت کا سبق دکھاتا ہے۔ کہ جہاد اور ہجرت دونوں ایک ہی قسم کی چیز ہیں اللہ کی راہ میں ملک وطن گھر بار کی قربانی اور دوسری جان کی قربانی اور جہاد میں ایک گونہ ہجرت بھی ہے۔ اور ہجرت میں جہاد نفس موجود ہے حضرت حسین نے اپنے عمل سے سکھایا کہ اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے تیار رہو۔ اگر وہ دنیاوی عزت اور دولت ومنصب پسند کرتے تو سب کچھ پا لیتے اور کوئی تکلیف نہ اٹھاتے۔ مگر ایک نظریہ اور اصول کی خاطر کہ اسکی صداقت پر ان کا یقین تھا۔ جان کو قربان کر دیا۔ اور اپنے مقصد شہادت واعلاء حق کو پا لیا جو خوشی اور فخر کا مقام ہے کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یہ نہ تو رونے پیٹنے کا مقام ہے اور نہ افسوس وماتم کا۔ یہ بزدل قومیں مسلمانوں کو رونے پیٹنے کا درس دے رہی ہیں۔ یہ یہودیانہ سازشیں تھیں کہ قربانی کے عظیم اور قابل فخر کارنامے کو رونے دھونے اور ماتم کی سیاہی میں چھپا دیا گیا۔ شہادت اور پھر حضرت حسین کی شہادت۔ اتنا اونچا مقام اور سعادت مندی اور پھر اس پر رونا پیٹنا اور ماتم کرنا ایک مسلمان کا ہرگز شیوہ نہیں ہو سکتا۔ حضور اقدس نے خود تمنا کی کہ کاش میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں، پھر زندہ ہو جاؤں۔ پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں۔ پھر شہید ہو جاؤں اسی طرح بار بار شہادت کی لذت لیتا رہوں۔ شہادت تو صرف کپڑے بدلنا ہے۔ کھدر کے خراب اور ناپائیدار کپڑے بدل کر جنت کا ابدی اور دائمی لباس پہنتا ہے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

غرض اسلامی سنہ ہجری کے آغاز ہی میں جسطرح ہمیں اللہ کی راہ میں ہجرت کا درس دیا گیا اسی طرح اس واقعہ شہادت سے ہمیں تعلیم دی گئی کہ مسلمان اللہ کی راہ میں دین کی قربانی بھی سعادت اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہے۔ اور مسلمان کیلئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات نہیں ہو سکتی۔

صحابہ میں شہادت کا ذوق وشوق

صحابہ کرام میں قربانی کا عجیب ولولہ تھا اور عجیب طرح انہوں نے جذبۂ قربانی کے مظاہرے کئے

تاریخ وسیر واحادیث کی کتابیں ان کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔ حضرت حنظلہ کے والد ابو عامر راہب منافقوں کے اونچے لیڈر تھے۔ حضرت حنظلہ کی نئی شادی ہوئی ہے، کانوں میں جہاد کی آواز پڑتی ہے، غسل جنابت بھی نہیں فرما سکے اور اسی حال میں جہاد میں شریک ہو کر شہادت پائی حضور نے لاشوں کا معائنہ کیا دیکھا کہ اسکی لاش فرشتوں نے اٹھائی ہے۔ اور سونے کے تخت پر اسے غسل دیا جا رہا ہے۔ تدفین کے بعد حضور اقدسؐ نے اسکی بیوی سے معاملہ کی حقیقت دریافت کی معلوم ہوا کہ ابھی غسل بھی نہ کرنے پائے تھے کہ کانوں میں جہاد کی دعوت پہنچی اور اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے یہ حال تھا صحابہ کے اللہ کی راہ میں قربانی کے ذوق کا۔ عمرو بن جموح پیر سے لنگڑے ہیں، معذور ہیں، جہاد کا موقعہ آیا چار بیٹے تھے اور سب کے سب جہاد میں شریک ہیں۔ انہیں بھی جہاد جانے کا شوق ہوا ان کے چار بیٹوں نے منع کرنا چاہا کہ ہم سب موجود ہیں اور آپ معذور ہیں حضور اقدسؐ کی خدمت میں آکر فریاد کی کہ بیٹے مجھے جہاد جانے سے روکتے ہیں اور میری تمنا ہے کہ لنگڑے پاؤں سے جنت میں چلوں پھروں ——— حضور نے چاروں بیٹوں کو فرمایا کہ کیا حرج ہے اگر ان کا شوق جہاد پورا ہو۔ اور شہادت انہیں نصیب ہو اور اس کو فرمایا تم پر جہاد معاف ہے کہ معذور ہو مگر جب تیری خواہش ہے۔ تو بہتر ہے۔ اجازت ملی تو خوشی سے سرشار جہاد میں حصہ لیا اور شہادت پائی۔ گھر سے نکلتے وقت دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ مجھے تیری راہ میں شہادت کی موت ملے اور پھر میں گھر تک نہ آسکوں۔ جہاد میں اس کا بیٹا حضرت خلاد حضرت جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی شہید ہوئے۔ آپ کی بیوی جن کا نام ہندہ ہے نے چاہا کہ شوہر بیٹے اور حضرت عبداللہ بن عمرو تینوں کی لاشیں مدینہ سے جا کر دفن کروں۔ اونٹ پر لاش لادی گئی مگر اونٹ کا رخ مدینہ کی جانب نہیں ہو رہا تھا۔ اور وہیں بیٹھ جاتا۔ احد کی جانب رخ کرتا۔ حضور اقدسؐ کو یہ واقعہ بیان کیا گیا اور گھر سے نکلنے کے وقت ان کی دعا کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی دعا قبول ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندے جو خدا سے چاہیں خدا اسے قبول فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہیں احد کے دامن میں دفن کر دئے گئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں۔ کہ جنگ احد سے ایک روز قبل حضرت عبداللہ بن جحش نے مجھے فرمایا کہ کل جہاد ہوگا۔ آیئے! دونوں کل کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور دونوں ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں۔ چنانچہ ایک طرف جا کر دعا کرنے لگے۔ حضرت سعد فرماتے ہیں۔ کہ پہلے میں نے دعا

کی کہ یا اللہ کل میدانِ جہاد میں ایک مضبوط اور قوی کافر سے میرا مقابلہ ہو اور میں بالآخر اسے قتل کر ڈالوں اور اس کے اسلحہ وغیرہ پر قبضہ کرلوں۔ اسطرح اسلام کا نام اونچا ہو۔ حضرت عبداللہ نے میری دعا پر آمین کہا۔ پھر حضرت عبداللہ بن جحش نے دعا کی جس کے الفاظ یہ تھے:

اللّٰھم ارزقنی غداً رجلاً شدیداً باسہٗ	اے اللہ کل جب لڑائی ہو تو میرے مقابل
شدیداً حردہٗ اقاتلہ فیک ویقاتلنی	مضبوط اور طاقتور کافر آئے۔ میں اس سے
فیقتلنی ثم یاخذنی فیجدع انفی واذنی	لڑوں اور وہ مجھ سے پھر وہ مجھ پر غالب
فاذا لقیتک قلت یا عبد اللہ فیما جدع	ہو کر مجھے قتل کر دے۔ پھر ناک اور کان
انفک واذنک فاقول فیک وفی رسولک	کاٹ ڈالے پھر جب میں تجھ سے ملوں تو
فتقول صدقت۔	آپ پوچھیں اے عبداللہ تیری ناک اور

کان کیوں کاٹے گئے ہیں۔ تو میں کہوں کہ اے اللہ تیری اور تیرے رسول کی راہ میں ایسا ہوا تو آپ فرمائیں کہ تو نے سچ کہا۔

سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ انہوں نے دعا کی میں نے آمین کہا کل لڑائی میں ایسا ہی ہوا حضرت عبداللہ اس کیفیت سے شہید ہوئے۔ ان کے اعضاء اور ناک کان کاٹ ڈالے گئے۔ ان کی دعا میری دعا سے بہتر تھی حضرت عبداللہ کی تدفین حضرت امیر حمزہ سید الشہداء کے ساتھ ایک ہی قبر میں ہوئی۔ دو ضعیف العمر بوڑھے صحابہ کو بھی رسول اللہ نے جہاد سے روک دیا جن میں ایک حضرت حذیفہ کے والد یمان تھے۔ دونوں چپکے سے مجاہدین کے پیچھے گئے اور جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید کی زندگی جہاد اور کفار کی سرکوبی میں بسر ہوئی بدن کا کوئی حصہ تلوار خنجر اور تیروں کے وار اور نشان سے خالی نہیں تھا۔ مگر موت بستر پر آئی تو رونے لگے کہ اے اللہ تمام زندگی میری کفار کے مقابلہ میں گذری اب میں چارپائی پر مر رہا ہوں۔ غم انہیں یہ ہے کہ میرا جسم اللہ کی راہ میں شہید ہو کر کیوں خرچ نہ ہوا۔ کہ جو چیز اپنے مصرف و محل میں خرچ ہو جائے تو حقیقی کامیابی و خوشی ہوتی ہے۔ بے جا استعمال ایک پیسہ کا بھی ہو جائے تو اسی پر افسوس ہونا چاہئے۔ تو حضرت حسینؓ بھی اللہ کے دین اور اپنے نانا کی ایک سنت کی احیاء کی خاطر میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی جان اور جسم کو اپنے موقعہ و محل میں لگا دیا۔

بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب سے رزق دئے

جاتے ہیں) اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں دیا ہے. خوش ہونے والے ہیں. اور ان کی طرف سے بھی خوش ہوتے ہیں جو ابھی تک ان کے پیچھے سے ان کے پاس نہیں پہنچے اس لئے کہ نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے)

شہادت کی لذت ایسی ہے. کہ شہادت پانے کے بعد شہید کو بار بار زندہ ہو کر دوبارہ شہید ہونے کی تمنا ہوتی ہے.

حدیث شریف میں آتا ہے. الجہاد ماض الی یوم القیامۃ.

ایک روایت میں آتا ہے. کہ خواہ بادشاہ عادل ہو یا ظالم مگر تم کفار سے جہاد کرتے رہو. اسلام اور دین کی حفاظت کا تمام مسلمانوں کا مشترکہ فریضہ ہے. تو جہاد بادشاہ کے عادل ہونے پر موقوف نہیں. حاکم فاسق ہو یا عادل جہاد میں سستی نہیں کرنی چاہیے. کہ بادشاہ اور حکام تو آتے جاتے رہتے ہیں. مگر اسلامی مملکت کی حفاظت اور اسلام کی اشاعت ہر حال میں ضروری ہے. فاسق امیر کو بدلا جا سکتا ہے. لیکن جب کافروں کو غلبہ حاصل ہو جائے تو پھر ان سے نجات مشکل کام ہے. اس لئے اگر ایک بالشت زمین پر بھی کافروں کا قبضہ ہو تو ساتھ والے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے. اگر ان سے نہ ہو سکے تو جو نزدیک ہوں ان پر مدافعت لازم ہے. اسیطرح روئے زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک رہنے والے مسلمانوں تک اس کی فرضیت پہنچ جاتی ہے. پھر مسلمانوں کے جہاد کا مقصد ملک گیری اور غیروں پر حکومت نہیں. بلکہ اللہ کی سرزمین کو ظلم و ستم اور کفر و شرک سے خالی کر کے سلطنت خداوندی کا قیام اور نظام عدل جاری کرنا ہے. ہمیں زمین کا قبضہ مقصود نہیں بلکہ اللہ کے دین کی اشاعت مطلوب ہے. حضرت حسینؓ بھی دنیاوی اغراض اور اقتدار کے لالچ میں نہیں لڑے بلکہ لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا. (تاکہ اللہ کا نام اور دین سربلند ہو)

ایمان کی جلا اور نفس کی صفائی جہاد ہی سے حاصل ہوتی ہے. نیز حضور اقدسؐ نے ایک جہاد سے واپسی کے دوران صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم جس وادی سے گزرتے ہو اس حال میں مسلمانوں کی دعائیں اور ہمدردیاں تمہارے شریک رہتی ہیں. جو ضعف یا دوسرے اعذار کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے وہ لوگ جہاد کے ثواب اور فضیلت میں بھی تمہارے شریک ہیں. غرض اسلام کی سربلندی اور دین کی اشاعت کی خاطر ہر وقت جہاد کے جذبہ سے سرشار رہنا چاہیئے. آج اگر ہمیں فکر ہے تو کارخانوں کا، دنیاوی ترقیات کا، کافر اقوام کی تقلید و اتباع کا لیکن اسلام کا نام بھی نہیں لیا جاتا. سوائے اپنی اغراض کے ـــــ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مسخ شدہ قلوب کو اسلام کی جانب پھیر دے اور اسلام کا جھنڈا اس ملک اور دیگر ممالک میں سربلند ہو. اے اللہ تو نے محض اپنے فضل و کرم سے ہماری آبرو رکھی اور رحمت کے پردوں سے ہمارے عیوب کو دشمن پر ظاہر نہ ہونے دیا. اب ہمیں توفیق دے کہ تیرے شکر گذار بنیں. اور خدمت دین اور اشاعت اسلام کی توفیق عطا فرما اور عالم اسلام کو کفار کے شر و فساد سے محفوظ رکھ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحبہ اجمعین.

از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

"اسلامی معاشیات" کے نام سے مضامین کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ جس میں اسلام اور دوسرے معاشی نظاموں، موجودہ معاشی مسائل اور مشکلات اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے ان کا حل اور اسلام کے اقتصادی نظام کے مختلف پہلوؤں پر جید اور ممتاز علماء کے افکار پیش ہوتے رہیں گے۔ انشاء اللہ

— ادارہ

اسلام میں تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد

تجارت کو اقتصادی نظام کا اہم جزء قرار دینے اور اپنے نظام میں تجارتی سہولتیں اور جائز آسانیاں بہم پہنچانے کے باوجود اسلام کا اقتصادی نظام ان تمام بدعنوانیوں کا سدباب کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے۔ جو درحقیقت "اقتصادی نظام" کے مقصد اور نصب العین کو تباہ و برباد کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ اور تجارت کے نام سے عام بدحالی اور قابلِ نفرت سرمایہ داری کو فروغ دیتی ہیں۔ اقتصادی نظام کو برباد کرنے اور اسکو کھوکھلا بنانے میں بدعنوانیوں کی جس قدر بھی تفصیلات و جزئیات ہو سکتی ہیں وہ صرف دو بنیادوں پر قائم ہیں۔ اسلام نے اپنی اصلاح میں ان کو دو خصوصی نام سے موسوم کیا ہے۔

۱۔ احتکار　　　　۲۔ اکتناز

احتکار سے مراد یہ ہے کہ دولت سمٹ کر کسی ایک ہی طبقہ میں محصور و محدود ہو جائے۔ اور اکتناز کے معنی یہ ہیں کہ دولت کے عظیم الشان خزانے افراد کے پاس جمع ہو جائیں اور ان کے پھیلاؤ اور تقسیم کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ اسلام نہ اِس کو منظور کرتا ہے۔ اور نہ اُس کو، اس لئے وہ ہر معاشی و اقتصادی شعبہ میں ان دونوں کے خلاف قانون سازی کے ذریعہ جہاد کرتا اور ان دونوں ملعون راہوں کو بند کرتا ہے۔

احتکار کے سلسلہ میں ارشاد نبوی ملاحظہ ہو:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم　　　　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

من احتکر فھو خاطئ (فی روایۃ) — احتکار کرنے والا خطاکار ہے اور ایک جگہ
المحتکر ملعون۔ — فرمایا کہ اس پر خدا کی پھٹکار ہے۔

فقہ میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص "غلہ" وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لئے خریدے کہ بازار گراں ہو جائے اور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا مرکز صرف وہی بن جائے اور پبلک اس کے مقررہ نرخ پر مجبور ہو جائے۔ اور وہ من مانی گراں فروشی کر سکے۔

اس احتکار کی مثال کے لئے اس زمانہ میں زیادہ کنج وکاؤ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مہاجنوں کا گروہ جو کاشتکاروں کو قرض کے نام سے سود پر روپیہ دے کر ان کی کمائی کو "غلہ" کی شکل میں "دستبرد" کرتا اور ان سے ارزاں نرخ پر خرید کر کھتیوں (غلہ کے خزانوں) میں بھر رکھتا ہے۔ اور اس طرح ارزانی وگرانی کا کفیل بن جاتا ہے۔ "احتکار" کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس گروہ کے اس عمل سے کاشتکار اور عوام الناس جس قدر پریشان ہوتے اور بعض موسموں میں اقتصادی بدحالی کے شکار بنتے رہتے ہیں، اس کا نتیجہ بدہندوستان کے باشندوں کے سامنے شاہد عدل ہے۔

سودی لین دین کے بعد اگر کوئی معاملہ عام بدحالی کا باعث ہے، تو وہ بھی تجارتی کاروبار ہے۔ جو اجناس واشیاء کے احتکار کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

قمار یا سٹہ

"احتکار" کی دوسری جڑ "قمار" ہے۔ اس سے ہماری مراد صرف "جوئے" کی وہ عام شکل نہیں ہے جو نقد کے ذریعے کھیلا جاتا ہے۔ بلکہ تمام صورتیں اس میں شامل ہیں۔ جو تجارت کے نام سے کی جاتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں قمار ہی کی قسمیں کہلاتی ہیں مثلاً "سٹہ" آپ اگر کاروبار سے واقف ہیں تو اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ تجارتی جوا ملک کے اقتصادی نظام کو کس طرح تباہ اور پراگندہ کرتا اور بغیر محنت نفع حاصل کرنے کے لالچ میں کس طرح ہزاروں گھروں کو خانماں برباد کر کے چھوڑتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اسکی بہت سی شکلیں رائج تھیں۔ مثلاً ملامسۃ، منابذہ، بیع حصاۃ وغیرہ۔ ملامسۃ کا طریقہ تھا کہ بائع ومشتری کے درمیان یہ طے ہو جاتا تھا کہ بغیر دیکھے اور حقیقت معلوم کئے ہوئے مشتری جس کپڑے یا شے کو چھو دے گا۔ وہ اس کا مالک ہے۔ اور منابذہ میں یہ طے ہوتا تھا کہ جو کپڑا یا شے بائع، مشتری کی جانب پھینک دیگا وہ بغیر معاملہ کے مشتری کی چیز سمجھا جائے گا۔ اور بیع حصاۃ یہ ہوتی تھی کہ متعدد اشیاء فروخت کے نام سے رکھ دی جائیں اور لوگ ٹھکری یا اسی قسم کی کسی شئے کو اسکی طرف پھینکیں جس چیز کو وہ ٹھکری چھو جائے خواہ وہ کسی قیمت کی ہو مشتری کی ملکیت ہو جائے گی۔ موجودہ دور ترقی کے

---

[۱] موجودہ برصغیر پاک و ہند۔

مہذب تجارتی جوئے لاٹری اور ریس سب اسی قسم کے معاملات میں داخل ہیں۔

اسلام ان کو "میسر" قمار اور جوا قرار دیتا ہے۔ اور اس قسم کے تمام معاملات کو اصول تجارت کیلئے تباہ کن سمجھتا، اور معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ یقین کرتا ہے۔ اور ان باتوں کے علاوہ سوسائٹی کے اخلاق اور کیرکٹر کیلئے باعث ذلت و رسوائی جانتا ہے۔

کیونکہ یہ معاملات اکثر جنگ وجدل کا باعث بنتے ہیں۔ مواساۃ، رواداری، ہمدردی اور مروت کو تباہ اور دوسرے کی تباہی میں اپنا فائدہ سمجھنے کی ترغیب دے کر انسانی جوہر کو برباد کرتے ہیں ــــــ

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ۔ (بقرہ)	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے ان دونوں چیزوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔
اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ۔ (مائدہ)	بلاشبہ شراب، جوا، بت، پانسے یہ سب سرتاسر نجاست ہیں۔ اور کار شیطان ہیں۔ پس تم ان سے بچو۔
اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ (مائدہ)	بلاشبہ شیطان چاہتا ہے۔ کہ شراب اور جوئے کی راہ سے تمہارے درمیان بغض و عداوت قائم کردے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پس کیا تم ان برائیوں سے باز رہو گے؟

حکیم الامۃ شاہ ولی اللہؒ اس قسم کے معاملات قمار کی مضرت کی حکمت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور بساط ارض پر ان کی معاش کا انتظام فرمایا۔ لہٰذا اس سے نفع حاصل کرنے کا ان کو موقع بہم پہنچایا۔ تو انسانوں کے درمیان جنگ وجدل اور کشمکش برپا ہو گئی۔ تب خدا کے قانون کا یہ فیصلہ ہوا۔ کہ جو شخص ذاتی محنت، وراثت یا دوسرے کسی جائز اور صحیح طریق سے کسی چیز کا مالک ہے۔ اس کی چیز میں دوسرا کوئی شخص مزاحمت اور کشمکش کا حقدار نہیں ہے۔ البتہ دوسرے کو بدل کے ذریعہ خریداری اور معتبر وصحیح رضامندی کیساتھ معاملت سے اس چیز کو حاصل کرنے کا حق ہے۔ بشرطیکہ خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اس معاملہ کا علم و یقین ہو، اور فریب، چالبازی اور دغل فصل کا اس میں ہرگز کوئی شائبہ نہ ہو

اور جب کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اور اسکی معیشت باہمی تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔ تو حق تعالیٰ نے باہمی تعاون و معاونت کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ پس اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے جس میں نہ صحیح بدل موجود ہو اور نہ باہمی تعاون پایا جاتا ہو۔ بلکہ دوسرے کو نقصان دے کر نفع حاصل کرنا مقصود ہو۔ جیسے "قمار" یا اس میں صحیح رضامندی موجود نہ ہو۔ جیسے سود تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں۔ اور ایسے معاملات ناجائز اور حرام ہیں [1]

بہرحال اسلام کے اقتصادی نظام میں اس قسم کے تمام تجارتی کاروبار کے لئے معلق کوئی جگہ نہیں ہے۔ جو یا صریح "قمار" ہوں۔ اور یا اُن کی تہ میں مالی ترقی کا وہی جذبہ کارفرما ہو جو "قمار" میں پایا جاتا ہے اور اگر علم الاقتصاد اور علم الاخلاق دونوں کے ماہرین سے اس بارہ میں دریافت کیا جائے تو بغیر کسی اختلاف کے وہ بھی یہی رائے دیں گے۔ بلکہ رائے دے چکے ہیں کہ "قمار" کی قسم کے تمام معاملات اجتماعی زندگی اور سوسائٹی کے لئے تباہ کن ہیں [2]

غرض احتکار کی یہ دوسری قسم ہے جو اس لئے ممنوع ہے۔ کہ یہ بھی دولت اور سرمایہ کو بعض افراد یا گروہ میں مخصوص کر دینے کا باعث بنتی اور ایک کو تباہ و برباد کر کے دوسرے کے فائدے کی صورت نکالتی ہے۔ اور یہ اخلاق اور انسانیت کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم اور سوسائٹی کی نظر میں ناقابلِ معافی گناہ ہے۔

سود احتکار کی سب سے ملعون قسم "سودی لین دین" ہے جس اقتصادی نظام میں اس کا عمل دخل ہے، وہ یکسر برباد اور تباہ ہے، یہ کروڑوں انسانوں کو مفلس و محتاج بنا کر ایک مخصوص طبقہ میں دولت کو سمیٹتا اور ان کو اس کا واحد اجارہ دار بنا دیتا ہے۔

ابتداء عالمِ انسانی سے ہمیشہ دو نظریئے کارفرما رہے ہیں ایک "عادلانہ نظام کا نظریہ" اور دوسرا "سرمایہ دارانہ نظام کا نظریہ"

پہلے نظریہ کا مطالبہ یہ ہے۔ کہ انسانوں میں ایک ایسا اجتماعی نظام قائم ہو جس میں نہ بڑے بڑے کروڑپتی ہوں اور نہ مفلس و محتاج طبقے بلکہ ایک طرح کی درمیانی حالت ہو جس میں معیشت کے درجات کا فطری تفاوت اگرچہ موجود ہو لیکن حقِ معیشت کی مساوات ہر فرد قائم رہے وہ اس کا طالب نہیں ہے۔ کہ سب کی معیشت کے سامان ایک ہی طرح کے ہوں۔ لیکن اس کا ہر فرد خواہش مند

---

[1] خلاصہ باب اقتضاء الرزق جلد ۲ صہ ۱۰۳ مصری [2] دائرۃ المعارف فرید وجدی نصف دوم جلد ۸ صہ ۹۲۳، ۹۲۴

ہے کہ سب کو حسب ضرورت ملے اور ترقی وسعی کی راہیں سب پر یکساں طور پر کھلی ہوں۔

حق اور خدا کے فرستادہ سچے مذاہب اسی نظریہ کے داعی رہے ہیں۔ اور اسلام نے اسی نظریہ کو کامل اور مکمل نقشہ کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

دوسرے نظریہ کا مطالبہ یہ ہے کہ دنیا کے کارخانے میں قدرت کے ہاتھوں نے معاشی نقطۂ نظر سے انسانی مخلوق کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ کچھ خدائی اور آقائی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور کچھ بندگی اور محکومی کے لئے۔ اسی طرح قدرت کا یہ منشاء ہے کہ بعض انسانی گروہ دولت و ثروت کے مستقل اجارہ دار ہوں۔ جائز و ناجائز طریقوں سے دولت کو فراہم کریں۔ اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو صرف اپنے ہی لئے مخصوص کر لیں اور بعض طبقے مفلس، محتاج، دریوزہ گر، اور نان جویں سے ہمیشہ مجبور و مقہور رہیں اور تفاوت درجات کے اس ہولناک فرق کو اعتدال پر لانے کا کسی کو بھی حق نہ ہو۔ یہ نظریہ طاغوتیوں اور آدم رو شیاطین کا ہے۔ اور ان کے اس نظریہ کی عمل کامیابی کی سب سے بڑی بنا یہی "مہاجنی سود" ہے جو مہذب اور غیر مہذب شکلوں میں بڑے بڑے گروہوں اور جماعتوں کا خون چوس کر ایک چھوٹی جماعت کو قارون کا خزانہ بخشتا ہے۔ اور خدا کی مخلوق میں سے ایک کو دوسرے کا محکوم بناتا ہے۔ بہرحال "سود" ملعون سرمایہ داری کا ہمیشہ سے بہت بڑا پشت پناہ رہا ہے۔

اسلام کی دعوت کا مرکز اولین "عرب" بھی اس لعنت میں گرفتار تھا۔ اور مشرکین عرب "تجارت" اور "سود" میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ اور ہندوستان کے مہاجنوں اور دنیا کے سود خوار یہودی گروہوں کی طرح وہ بھی اس لین دین کو اپنی فرزانگی اور بیدار مغزی کا ہنر جانتے تھے۔

قالوا انما البیع مثل الربو (بقرہ) وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت اور تجارتی کاروبار اسی طرح کی چیز ہے جیسا کہ سود کا لین دین۔

گویا ان کی نگاہ میں "سود" کا کاروبار ایسا صحیح کاروبار تھا کہ وہ بیع و شرا اور تجارتی لین دین کے جواز کے لئے اسکو دلیل بناتے تھے۔ چہ جائیکہ اسکو ناجائز اور حرام سمجھتے، یا معذرت کے طور پر یہ کہتے کہ جس طرح تجارت درست ہے، اسی طرح سودی لین دین بھی کیوں درست نہ ہو۔؟

اگر آج بھی سود خوار جماعتوں سے سود کے جواز میں دلیل طلب کرو گے تو ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد ان کا وہی جواب ہوگا جو ان کے پیشروؤں نے دیا تھا۔ ■■

روس اور امریکہ کے خلائی کارنامے

اور

اسلامی تعلیمات

ایک مکتوب کے ذریعہ حضرت علامہ افغانی سے چاند اور ستاروں کی تسخیر کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی گئی جواب میں حضرت مولانا نے ذیل کا مختصر مگر سیر حاصل مکتوب ارسال فرمایا الحمدللہ کہ ایک محقق عالم کی تحریر سے الحق کے پچھلے اداریہ کی تائید بھی ہوگئی۔ (س)

بعد از سلام مسنون آنکہ آج ہی منٹگمری جا رہا ہوں۔ کہ تمہارا خط پہنچا۔ آجکل میں "تعارف علوم قرآنیہ" کے نام سے کتاب لکھ رہا ہوں جو عنقریب طبع ہوگی۔ ضرورت الوحی کا مضمون میں نے اس میں مکمل لکھا ہے۔ فرصت کے وقت میں اس کا کچھ لکھ کر بھیج دوں گا۔ لیکن مصروفیت حد سے زیادہ ہے۔ آپ نے جو سوال کیا ہے۔ کتاب زیر تصنیف میں اسکو مفصل لکھوں گا جس کا عنوان "این الکواکب" ہوگا۔ مختصر جواب اسقدر ہے کہ روس و امریکہ کے خلائی کارناموں سے اسلامی تعلیمات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا۔ اسکا اگر کچھ اثر پڑیگا تو یونانی علم الافلاک اور ھیئۃ بطلیموسی پر یا اسرائیلی روایات مختلفہ پر پڑیگا۔ اب تک تو چاند و زہرہ پر پہنچنے کی سعی ہے۔ لیکن اگر تمام کواکب تک بھی رسائی ہو جو مستبعد ہے تو بھی اسلامی تحقیق پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ڈاکٹر ٹنڈل "جغرافیہ عالم" میں لکھتے ہیں۔ کہ خورد بینوں کے ذریعہ جو ستارے نظر آسکتے ہیں ان کی تعداد سات ارب ہے۔ اور جو کسی صورت میں نظر نہیں آتے انکی تعداد شمار سے باہر ہے۔ تاہم اگر ان سب ستاروں کیطرف رسائی ہو جائے تو بھی آسمان تک رسائی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کل ستارے فضا میں شرعی نقطۂ نظر سے معلق ہیں۔ یعنی بین السماء والارض ہیں۔ آسمانوں میں ایک بھی ستارہ نہیں یہ سلف کا قول ہے۔ ابن عباس سے روح المعانی میں[1] ج ۳۰ سورۂ تکویر میں ہے۔ النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی الملئکۃ ویقرب منہ قول الفلاسفۃ الجدیدۃ لکن بالجذب[2]۔ اسی طرح عطاء بن رباح استاذ امام ابوحنیفہؒ کا بھی قول ہے۔ آلوسیؒ نے تفسیر سورۂ طلاق میں ومن الارض مثلھن کے تحت میں لکھا ہے۔ ولم یقم دلیل علی ان شیئا من الکواکب مغروز فی شئ من السموات کالفص فی الخاتم والسماء فی اللوح[3]۔ اسی جگہ علامہ آلوسیؒ نے اسرائیلی روایات کی تردید بھی کی ہے۔ فرمایا ہے۔ نعم اکثر الاخبار فی امر السموات والارض لا یعول علیھا اشار الیہ النسفی فی بحر الکلام[4]۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمان میں ہونا مترشح ہوتا ہے۔ اسکی تردید روح المعانی کی جلد ۱۷-۱۸-۱۹ اور ۳۰ میں موجود ہے۔ مزید بسط کی گنجائش نہیں۔ آلوسیؒ کل فی فلک یسبحون کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ قال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر وقال الضحاک ھو لیس بجسم بل مدار ھذہ النجوم[5] گویا اکثر مفسرین اسلام محل کواکب کو جس میں شمس و قمر گردش کرتے ہیں۔ تحت السماء تسلیم کرتے ہیں نہ فی السماء (آسمان کے نیچے نہ کہ آسمان میں)

فقط والسلام۔ شمس الحق افغانی۔ بہاولپور (۲۵ مارچ ۱۹۶۶ء)

---

[1] ستارے لٹکتے ہوئے فانوس ہیں۔ آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں کے ساتھ جنہیں فرشتے تھامے ہوئے ہیں۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ کہ فلسفہ جدیدہ کے علماء کا قول بھی اس کے قریب قریب ہے۔ مگر وہ اسکی تعبیر مرکز ثقل اور کشش سے کرتے ہیں۔
[3] اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ایک ستارہ بھی آسمانوں میں ایسا جڑا ہوا ہے جیسا انگوٹھی میں ہیرا یا تختی میں میخ۔
[4] زمین اور آسمانوں کے بارہ میں اکثر باتیں ناقابل اعتماد ہیں۔ علامہ نسفی نے بحر الکلام میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔
[5] اکثر مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد آسمان کے تلے موج مکفوف ہے جس میں سورج اور چاند اپنی گردش کرتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں۔ اس سے مراد جسم نہیں بلکہ ان ستاروں کا مدار (جائے گردش) ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

گو آج کل بعضوں کو یہ بھی خبط ہے۔ کہ ہر چیز کی دلیل قرآن سے مانگتے ہیں۔ مگر یہ غلطی عظیم ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے عدالت میں فلاں گواہ فلاں گواہ پکارے جاتے ہیں، اور ان کے ذریعہ سے دعویٰ ثابت کیا جاتا ہے۔ مدعا علیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ گو یہ گواہ مجروح نہیں، مگر میری تسلی تو جب ہوگی جبکہ فلاں فلاں گواہ گواہی دیں تو کیا عدالت اسکی درخواست کو پورا کرنا ضرور سمجھے گی ہرگز نہیں پس اسی طرح قرآن و حدیث کے احکام پر مشتمل گواہ ہیں۔ اور اجماع اور اجتہاد مجتہد مستند ہیں۔ انہیں دو اصلوں کی طرف اور اصل قرآن و حدیث ہی ہیں۔ اور اجماع و اجتہاد مجتہد مظہر حکم ہیں، مثبت حکم نہیں۔ اور حدیث میں کتاب کی طرف ایسا استناد نہیں۔ بلکہ سنت خود مستقل طور پر مثبت احکام ہے بعضوں نے جو تصنع سازی کر کے فقط قرآن ہی کو کافی سمجھا ہے۔ یہ بالکل گمراہی ہے۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسکی مثل اور دیا گیا ہوں (یعنی احادیث جو وحی غیر متلو ہیں) مثل کو مقارن کتاب اللہ کے فرمایا ہے۔ اور چند احکام آپ نے فرمائے کہ یہ قرآن میں کہاں ہیں۔ جن میں یہ بھی تھا کہ گدھے کا کھانا حرام ہے۔ پس حدیث سے معلوم ہوا کہ گدھا کھانا حرام ہے۔ پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ فقط قرآن مجید کافی ہے۔ جبکہ مشاہدہ گواہ ہے۔ کہ بہت احکام قرآن مجید میں نہیں اور احادیث میں ہیں اور حکم مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (جو کچھ رسول تم کو دیں اسکو لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا کریں تم رک جایا کرو۔) ان احکام پر بھی عمل مثل عمل باحکام قرآن واجب ہے۔ اور اگر شبہ ہو کہ قرآن تو تبیاناً لکل شیء ہے۔ (یعنی ہر چیز اس میں موجود ہے۔) جواب یہ ہے کہ تبیاناً لکل شیء من المہمات۔ (یعنی مہمات میں سے ہر چیز اس میں موجود ہے۔) اور مہم کا مفہوم مشکک ہے سو جو مہمات قرآن میں مذکور ہیں۔ اسی درجہ کی مہمات مراد ہیں۔ یا تبیان سے مراد عام ہے خواہ اجزائیاً ہو یا کلیاً اور کلیاً ہر حکم کا ثابت ہونا یہ قرآن کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ ان آیات کے اعتبار سے کہ ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ (تم کو جو کچھ رسول دیں

(باقی صفحہ ۸۴ پر)

مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی
—— رفیقِ اعزازی، الحق ——

قسط نمبر ۳

نبی کی خصوصیات

نبی محنت اور ریاضت سے نہیں بنتا، بلکہ نبوت اللہ کی دین ہے جسکو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ لیکن جسکو نبوت ملتی ہے۔ وہ پھر اس قدر عبادت کرتا ہے۔ کہ اس کے پاؤں بھی رکوع و قیام میں متورم ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق کہنا پڑتا ہے۔ کہ اے پیغمبر یہ قرآن ہم نے تجھ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت اور تکلیف اٹھائے روزے رکھنے پہ آتا ہے تو وصال کے روزے رکھتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اعلانِ نبوت سے قبل وہ ایک زمانہ تک عبادت و مراقبہ میں بسر کرتا ہے۔ پہاڑوں کی غاروں اور آبادی سے دور دراز ویرانہ میں ایک ایک ہفتہ نہیں بلکہ ایک ایک ماہ اور ایک ایک چلّہ زہد و تقشف کی زندگی میں گذارتا ہے۔ تورات میں موسیٰ علیہ السلام کی نسبت مرقوم ہے کہ کتاب ملنے سے قبل وہ چالیس روز تک کوہ طور پہ روزہ کی حالت میں رہے۔ اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے۔ کہ وہ ایک ویرانہ میں چالیس روز تک روزہ کی حالت میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے۔ خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے قبل غارِ حرا میں مہینوں عزلت اور گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت اور فکر و مراقبہ کی زندگی گذارتے رہے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

قیل ما کان صفة تعبده اجیب بان ذالک کان بالتفکر والاعتبار[1] یعنی یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و تفکر اور عبرت پذیری۔

بات دراصل یہ ہے کہ نبی اور رسول کا تعلق چونکہ اللہ ربّ العزت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ محبتِ خداوندی میں سرشار ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس کو اس مادی دنیا کی ہر وہ شے اور فانی جہاں کا ہر

---

[1] بدرالدین عینی: عمدۃ القاری جلد اوّل

وہ فعل جو اللہ رب العزت کی مرضی کے خلاف ہو اس طرح مکروہ اور ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔
جس طرح ہمیں ہر وہ شے جو ہماری طبیعت کے مخالف ہو ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اور ہم ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ کہ اُس سے دور بھاگیں اور کسی گوشۂ خلوت میں جا بیٹھیں جہاں وہ چیز نہ ہو۔
بالکل اسی طرح انبیاء علیہم السلام جب اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ تو اس وقت دنیا میں طرح طرح کے ناپسندیدہ افعال، کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور فحشاء اور منکرات کے زلفِ یار کی طرح سیاہ بادل امنڈے ہوتے ہیں۔ جس سے انسانی اخلاق اور انسانی روحانیت گندی ہو چکی ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح ہم گندگی اور غلاظت سے دور بھاگتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام زمانہ قبل از نبوت میں اس روحانی اور اخلاقی غلاظت کے طوماروں سے دور بھاگتے ہیں۔ اور کوئی گوشۂ خلوت تلاش کرتے ہیں۔ جس میں تفکر و مراقبہ کے ذریعہ اللہ رب العزت سے لو لگائیں۔ اور اس مادی دنیا کی آلائشوں اور غلاظتوں سے یک قلم الگ ہو جائیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فلما نشأت بغضت الی الاوثان و بغض الی الشعر[1] یعنی جب میرا نشو و ارتقاء شروع ہوا اُسی وقت سے بتوں اور اشعار سے شدید نفرت اور عداوت میرے قلب میں ڈال دی گئی ——

ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا۔ کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر پوچھا گیا کیا آپ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ اور فرمایا کہ میں ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا[2]

سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ صرف دو مرتبہ مجھے کچھ خیال آیا۔ لیکن حق جل و علا شانہٗ نے دونوں ہی مرتبہ اس سے محفوظ و مصئون فرما لیا —— ایک رات میں نے اپنے ساتھی سے جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا، کہا کہ اگر تم میری بکریوں کو سنبھالے رکھو تو میں مکہ میں جا کر کچھ قصے کہانیاں سن کر آتا ہوں، اس ارادہ سے میں شہر میں آیا۔ پہلے ہی گھر میں گانا بجانا ہو رہا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس گھر میں شادی ہے۔ میں ابھی سننے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ فوراً نیند آگئی اور اللہ جل شانہٗ نے میرے کانوں پر مہر لگا دی اور میں کچھ نہ سن سکا۔ اور جب سورج نکلا تب آنکھ کھلی۔ دوسری شب آپ نے پھر یہی ارادہ فرمایا۔ اور آپ پھر جب شہر میں آئے تو آپ پر نیند طاری کر دی گئی اور

---

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۵ [2] السیوطی: خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۹

آپ کچھ نہ سن سکے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان دو واقعات کے سوا میں نے کبھی مکروہات جاہلیت کا ارادہ بھی نہیں کیا[1] یاد رہے۔ اُس وقت آپکی عمر صرف دس سال کی تھی[2]

ابن ہشام بھی لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جاہلیت کی تمام گندگیوں اور غلاظتوں سے محفوظ اور پاک رکھا"[3]

نبی کی اس ریاضت وعبادت کی خصوصیت کے ساتھ کچھ اور خصوصیات بھی اس میں رکھی جاتی ہیں، تاکہ دوسری نوع انسانی سے جس کی ہدایت و راہنمائی کیلئے اس کو بھیجا جاتا ہے، ممتاز ہو جائے۔ چنانچہ وہ حسن صورت، اعتدال مزاج، حسن تربیت، طہارت نسب، نشوونما کی پاکیزگی، سنجیدگی اور متانت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ اللہ کے دوستوں کے ساتھ تواضع ونرم خوئی سے پیش آتا ہے۔ ویسے تو دشمنوں کے ساتھ بھی اُس کا حسن اخلاق ضرب المثل ہوتا ہے اور اپنے خون کے پیاسوں کو بھی ۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ کہہ کر چھوڑ دیتا ہے[4] لیکن دشمنان حق کے ساتھ شدت قوت کے ساتھ کبھی بدر وحنین کے معرکے بھی لڑ لیتا ہے۔ راست گفتار اور امانت دار اس قدر ہوتا ہے۔ کہ دشمن بھی اس کی بات کو سچا جانتے ہیں۔ اور مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا ۔ کہہ کر اس کے صدق کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اپنی قیمتی سے قیمتی امانتیں اُس کے پاس رکھتے ہیں۔ اور آپ کی امانت داری سے متاثر ہو کر بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں: هذا محمد الامين، رضينا هذا محمد[5] یہ تو محمد امین ہیں ہم اُن پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد امین ہیں۔

غرضیکہ وہ دنیا کی سب خوبیوں اور فضائل سے آراستہ اور برائیوں اور ذلیل باتوں سے یک قلم مبرا ہوتا ہے۔ باحیا اس قدر کہ کنواری عورتوں کی حیا بھی اس کے سامنے گرد ہوتی ہے[6] فریاد خواہوں کی فریاد رسی اس طرح کرتا ہے۔ کہ دشمن بھی اپنی فریادیں اس کے پاس لے کر آتے ہیں[7] قرابت داروں اور ہمسایوں کے ساتھ احسان اس کی فطرت اور نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت اس کی طینت ہوتی ہے۔

تمام دنیا کی قوتیں اور سب لوگوں کی اکڑی ہوئی گردنیں اس کے سامنے طوعاً وکرہاً سرنگوں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے جابر اور ظالم پابجولاں اس کے پاس لائے جاتے ہیں۔ اور وہ ان کی

---

[1] خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۸ [2] شفا قاضی عیاض صفحہ ۶۰ [3] سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ ۹۲

[4] البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ صفحہ ۳۰۱ [5] طبری جلد ۲ صفحہ ۲۰۲، سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۹۶،

[6] بخاری جلد اول صفحہ [7] شفا قاضی عیاض صفحہ ۴۹

تقدیروں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ کے بندے اس کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ اس طرح دست بستہ بیٹھتے ہیں، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ زمانہ کے بڑے بڑے اہل فضل و کمال اس کے آگے اس طرح دبے سمٹے بیٹھتے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے منہ میں زبان نہیں بلکہ جسم میں جان تک نہ ہونے کا وہم گذرتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ نہ اس میں غرور و نخوت کی بُو آتی ہے۔ اور نہ ہی وہ جفا پیشہ، درشت مزاج اور بدخو ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ہر ہر عضو سے عفو و رحمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔ کلام میں شیرینی، افعال میں متانت اور مزاج میں سلامتی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ساری دنیا کے خزانے اس کے قدموں میں پڑے ہوتے ہیں، لیکن اس کے اپنے چولہے میں مہینوں آگ نہیں جلتی۔ دوسروں کو ہزاروں اور لاکھوں درہم و دینار بخشے جاتے ہیں، لیکن خود اپنی اولاد کو ایک غلام بھی نہیں دیا جاتا۔ طبیعت کی اس فیاضی اور مزاج کے اس اعتدال کی وجہ سے وہ باہمہ ہو کر بھی بے ہمہ ہوتا ہے۔ اور ہر نعمت کے اظہار پر "ولا فخر" کا فقرہ دہراتا ہے۔

نبی اور ریفارمر یا لیڈر

نبی کی ان خصوصیات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نبی ریفارمر اور لیڈر نہیں ہوتا، کیونکہ نبی اور لیڈر یا ریفارمر میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں بعض بدبخت اور شقی القلب لوگوں نے جو اسلام کی تشریح کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کروائے ہوئے ہیں، نبی کو ایک لیڈر اور ریفارمر اور دین کو ایک تحریک سمجھتے ہیں۔ نبی کے لئے لیڈر اور ریفارمر کے الفاظ استعمال کرنا میرے خیال میں نبی کی توہین کرنا ہے۔ اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر عمومی سطح پر لانا ہے اور یہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو اسلام کی روح اور معنویت سے ناآشنا ہوں یا اُن کے دل بغض رسول سے بھرے ہوئے ہوں۔

نبی اور ریفارمر میں جو فرق ہے۔ اس کو ہم ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ایسے شقی القلب لوگوں کی زہر افشانی کے لئے تریاق کا کام دے سکے۔

ایک ریفارمر اور لیڈر کی پرورش اور تربیت عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے۔ اُن ہی کی طرح وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتا ہے۔ اُن ہی کی طرح اس کی زندگی میں اُتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ پھر وہ اپنی سعی و محنت اور متواتر جدوجہد اور اُس کے ساتھ اپنی فطری صلاحیت اور دل سوزی کی بناء پر قوم یا ملک میں کوئی سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، معاشرتی، اور تعلیمی انقلاب برپا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی فراست طبعی، خلوص و دیانت اور ایثار و نیک نیتی کی بناء پر قوم کی نگاہ میں محبوب ہو جاتا ہے۔ اور قوم اس کو اپنا ریفارمر یا لیڈر تسلیم کر لیتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کی

حالت ایسی نہیں ہوتی۔ اوّل تو ان کی تعلیم و تربیت ہی صفت اجتباء و اصطفاء کے تحت ہوتی ہے۔ کیونکہ آگے چل کر ان کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا ہے۔ جو کہ لیڈر اور ریفارمر کی ذمہ داری سے بہت گراں ہے۔ پھر اُن کے ہر قول و فعل کی قدرت خود نگرانی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ان کی غذا، قوت شنوائی، قوت بینائی اور دیگر قویٰ کو صفتِ عصمت کے تحت محفوظ رکھا جاتا ہے۔ پھر وہ لیڈر کی طرح قوم کے کہنے پر نبی نہیں بنتے بلکہ وہ ایک مناسب عمر پہ جو کہ اکثر چالیس برس ہوتی ہے، خود اس بات کا اعلان کرتے ہیں، کہ ہمیں اللہ رب العزت کی طرف سے نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہمیں نبی ماننے پر تمہاری دنیوی اور اخروی زندگی کی بہتری اور اصلاح کا دار و مدار ہے۔ ہم اس بات پر مامور ہیں۔ کہ تم سے اپنی نبوت اور رسالت کا اقرار کروائیں اور تم اس بات پر مامور ہو کہ ہمیں نبی مانو، ہمارے احکام پر عمل کرو، اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ غرض کہ نبی اور رسول نہ تو از خود نبی اور رسول بنتے ہیں۔ اور نہ قوم اُن کو نبی اور رسول بناتی ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ براہ راست اُن کو نبی اور رسول بناتا ہے۔

لیڈر اور ریفارمر اپنی تحریکوں اور پارٹیوں کو وقتی مصلحتوں اور سیاسی حکمت عملیوں کے تحت چلاتے ہیں۔ وہ اپنی ذہانت اور صوابدید سے تحریک کے مختلف گوشوں میں ہوا کا رُخ دیکھ کر ردّ و بدل کرتے رہتے ہیں۔ نہ اُن میں معیّن حدود و قیود کی پابندی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی پیروی کے لئے اُن کے سامنے کوئی اسوہ ہوتا ہے۔ وہ خود ہی کوزہ اور خود ہی کوزہ گر ہوتے ہیں۔ اگر عوام کو بھڑکانے کیلئے ضرورت محسوس کریں گے تو اپنی الیکشنی سرگرمیوں کو بھی بدر و حنین کے غزوہ سے تعبیر کریں گے اور اس جہاد سے الگ رہنے والوں کو مرتد و مردود ٹھہرائیں گے۔ اور اگر ہوا کا رُخ خلاف دیکھیں گے تو یہ بدر و حنین کے مجاہدین اسطرح بلوں میں جا گھسیں گے جسطرح بلّی کو دیکھ کر چوہے بلوں میں جا گھستے ہیں۔ اگر موسم سازگار پائیں گے تو گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلان کریں گے ——— کہ "وقت آگیا ہے" کہ کرسیوں والے اپنے اقتدار کی کرسیاں ان کے لئے خالی کر دیں لیکن اگر قدرتی قسمت سے اثنائے تقریر ہی میں موسم بدلتا نظر آئے تو زورِ تقریر کے جھاگ خشک ہونے سے پہلے ہی اپنے مجاہدین کو ہدایات دیں گے کہ اپنی وردیاں پھینک دو۔ اپنی تلواریں توڑ دو، اپنے بیج اتار دو، اپنے اعلانوں کو گھس گھس کر مٹا دو، اپنے نعروں اور ناموں پر سیاہیاں پھیر دو اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لو۔

لیکن اس کے برعکس انبیاء کے لئے خود حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و قیود ہوتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں۔ اُن کی جد و جہد کو یہ رفتار کبھی نہیں پیش آتی کہ وہ اٹھیں

تو آندھی کی طرح اور بیٹھ جائیں بلبلے کی طرح۔ وہ طوفانوں کے زور کے ساتھ بھی چلیں گے تو اس میں بھی نسیم صبح کی خوش ادائی اور باد بہاری کی عطر بیزی اور مشک افشانی ہوگی۔ بجلیاں آئیں گی۔ لیکن وہ بھی ان کو اپنے راستہ سے نہیں روک سکیں گی۔ وہ زمانے کی ہوا کا رُخ دیکھ کر نہیں چلیں گے۔ بلکہ زمانے کو اپنے مطابق چلانے کی کوشش کریں گے اور اس کوشش میں وہ اکثر کامیاب رہتے ہیں۔

لیڈروں کا مقصد کامیابی ہوتا ہے جسکو حاصل کرنے کیلئے اگر بڑے سے بُرا طریقہ بھی اُن کو اختیار کرنا پڑے تو وہ اس سے نہیں چوکتے۔ لیکن اس کے برعکس انبیاء کا مقصد کامیابی نہیں ہوتا خواہ ساری زندگی کے وعظ نصیحت کے بعد ایک متنفس بھی اُن پر ایمان نہ لائے۔ لیکن لوگوں کو ایمان کے راستہ پر لانے کے لئے وہ کبھی بھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہو یا جسے حق تعالیٰ ناپسند فرماتے ہوں۔ نہ ہی اُنہوں نے کبھی اس بات کی پرواہ کی ہے۔ کہ دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے۔ یا نہیں۔ اور لوگ اسکو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کرلیں گے۔ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی ردّ و بدل کے مجاز نہیں ہیں جس کا جی چاہے اسکو قبول کرے جس کا جی نہ چاہے وہ ردّ کر دے۔ بلکہ وہ اس دین کو جو اُن پر اتارا گیا ہوتا ہے۔ بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی دخل و تصرف اور بغیر کسی ردّ و بدل کے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ خلق خدا کو پہنچا دیتے ہیں۔ اور اسطرح پہنچاتے ہیں کہ نہ اُس کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا ہونے دیتے ہیں اور نہ اس کے مواد اور ترتیب میں کوئی تبدیلی ہونے دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے دین کے امین ہوتے ہیں نہ کہ موجد اور مصنف۔ اس وجہ سے ہر طرح کے حالات میں وہ اپنی ذمہ داری صرف یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔

پھر وہ لیڈروں اور ریفارمروں کی طرح صرف گفتار ہی کے غازی نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اپنے اصولوں، اپنے دعاوی اور اپنے نظریات کے عملی مظہر ہوتے ہیں۔ اُن کے دل و زبان، قول و عمل اور خلوت و جلوت میں مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا۔ وہ جس شئے سے دوسروں کو روکتے ہیں۔ اس سے پوری شدت کے ساتھ خود بھی پرہیز کرتے ہیں۔ بلکہ اسکی پرچھائیں بھی اپنے پر نہیں پڑنے دیتے جس چیز کا دوسروں کو حکم دیتے ہیں، اس پر خود پوری قوت اور عزیمت کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ بلکہ جس

شے کی وہ دعوت دیتے ہیں۔ اگر دوسروں سے اس پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود اس پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔

لیڈر اور ریفارمر صرف اپنے اعتماد پر چلتے اور چلاتے ہیں، اس وجہ سے اگرچہ وہ اپنی ذہانت کی دوربین سے بیس سال کی مسافت تک مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہوں، لیکن حق تعالیٰ کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے جب وہ ٹھوکر کھاتے ہیں تو بسا اوقات اپنی ناک کے نیچے کے پتھر سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ اور جب گرتے ہیں تو اُن کو سنبھلنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اوّل تو وہ اپنی ذہانت و فراست کی دوربین سے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھنے پر کچھ اعتماد نہیں کرتے بلکہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں، لیکن اگر کبھی اپنی کسی اجتہادی لغزش کے باعث گرتے بھی ہیں۔ تو اپنے رب کے دروازے ہی پر گرتے ہیں، اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۔ کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اور ان کا رب اُن کو اٹھاتا اور سنبھالتا ہے[1]۔

نبی اور وکیل

اوپر کی بحث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ نبی نہ تو ایک لیڈر ہوتا ہے، اور نہ ہی ریفارمر، وہاں اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے۔ کہ وہ وکیل بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے اختیارِ کلی رکھتا ہے جو چاہے خود بھی کر سکتا ہے۔ اسی لئے جواب دہی کا بھی اُس کو حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں نبی صرف اس امانت کے بے کم و کاست پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جو اُس کے سپرد کی گئی ہے۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے مزاج، اس کے مواد اور اس کی ترتیب و تدریج میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکے۔ وکیل تو سب کا اللہ رب العزت ہی ہے۔ اب وکیل کا وکیل کون ہو سکتا ہے۔ اور کس انسان میں یہ طاقت و قوت ہے۔ کہ وہ اس ذمہ داری کا بار اٹھا سکے جو اللہ رب العزت نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے خود ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيْلٌ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی سب کا وکیل ہے۔

—— باقی آئندہ ——

---

[1] امین احسن اصلاحی : میثاق بابت اکتوبر ۱۹۶۰ء

دارالافتاء

مسائل علمیہ

عربی متن کے بغیر ترجمۂ قرآن کے مفاسد

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہٗ

پاکستان میں دیگر فتنوں کی طرح بغیر عربی متن کے تراجم قرآن مجید کی اشاعت اور ترویج کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی پسندیدہ زبان عربی اور کلام ربانی کا اپنی متوارث و متواتر مفہوم و مراد سے رشتہ کٹ جانے کی صورت میں جن خطرات اور مفاسد کا اندیشہ ہے۔ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ دین سے آزاد کئی افراد اور اداروں کی طرف سے اس قسم کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ کہ قرآن مجید کی تلاوت و تبلیغ یہاں تک کہ نماز بھی اردو زبان میں ہونی چاہئے۔ یہاں تک کہ ہماری معلومات کے مطابق مرد تو کیا بعض خواتین تک منظم طریقہ سے عورتوں اور مردوں میں اس تحریک کا پرچار کرتی رہتی ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں روزنامہ جنگ میں راولپنڈی کی ایک خاتون محترمہ سلطانہ بیگم بریگیڈیر اشرف خان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔ کہ وہ نماز کو اردو میں رائج کرانا چاہتی ہیں۔ اور انہوں نے صرف اردو میں کئی ہزار جلدیں شائع کرائی ہیں۔ شرعاً پردہ کا استعمال غیر ضروری سمجھتی ہیں۔ بلکہ مساجد میں مرد و زن کے مخلوط اجتماع کو جائز سمجھتی ہیں۔ انہوں نے اپنے مقاصد کی تشہیر کیلئے سوشل ویلفیئر سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے۔ وغیرہ وغیرہ (جنگ راولپنڈی ۲۰ جون ۱۹۶۹ء)

ان خطرناک عزائم کی کامیابی سے خدانخواستہ قرآن کریم کی تاویل و تحریف کا وہ دروازہ کھل سکتا ہے جس کا نمونہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں (بائبل وغیرہ) کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اور آج ان میں سے کوئی بھی ان آسمانی کتابوں کی اصل زبان تک کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ علماء حق نے ہمیشہ سے ایسی حرکات کا احتساب کیا اور سدباب کیلئے قرآن مجید کے عربی متن کے بغیر تراجم و تفاسیر شائع کرنے کی ممانعت کی۔ کچھ عرصہ قبل جنوبی افریقہ

کی ایک دینی جماعت کی طرف سے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے نام ایک خط میں بلا عربی تراجم کی اشاعت اور بعض دیگر امور کی شرعی حیثیت دریافت کی گئی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خواہش پر محقق العصر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ نے اس خط کا جواب تفصیل سے تحریر فرمایا۔ اس خاص مسئلہ کے بارہ میں جواب کا متعلقہ حصہ یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ افریقی مسلمانوں کے خط میں وہاں کے دینی مساعی اور اشاعت قرآن مجید کی کوششوں کا بھی اجمالاً ذکر ہے۔ لہذا اسے بھی مختصراً شائع کیا جا رہا ہے ــــــــــ (قاضی انوار الدین)

بگرامی خدمت جناب مولانا عبدالحق صاحب۔ السلام علیکم

اس ادارہ کے عاقل و ذہین مسلمانوں کے ایک گروہ نے قرآن مقدس کے ترجمہ کا قابل قدر کام شروع کیا ہے۔ یہ ترجمہ جنوبی افریقہ کی مقامی زبانوں میں کیا جا رہا ہے۔ جنوبی افریقہ کے تقریباً ایک کروڑ تیس لاکھ آبادی تقریباً بائیس زبانیں بولتی ہے۔ جن میں سے چار زبانوں کو سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اور خداوند کریم کی قدرت سے ہم پہلے ہی سے قرآن مقدس کو افریکن اور ذلو زبانوں میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ یہ کام کئی قابل اعلیٰ تربیت یافتہ پروفیسروں و علماء عربیہ و لسانیات متعلقہ کی مدد سے کیا گیا ہے۔ ایک رپورٹ جو کہ مسلم نیوز اخبار میں اس ترجمہ کے متعلق شائع ہوئی ہے، شامل ہذا ہے۔ ابتداءً ہم نے قرآن مقدس کا اصل ہر دو زبانوں یعنی عربی اور افریکن میں شروع کیا۔ اور ہر ایک صفحہ کے آخر میں اس کی شرح افریکن بولی بولنے والوں کے فائدہ کے لئے درج کر دی۔ چونکہ لوگوں کی ہر دلعزیز رائے یہ ہے۔ کہ ہم غیر مسلموں کی غالب اکثریت کو بھی اس سے مستفیض کریں۔ جن کو اس مرحلہ پر عربی اصل کسی فائدہ کا نہ ہوگا۔ آپ برائے مہربانی اپنی فاضلانہ رائے سے مشکور کریں۔ کہ آیا اس میں اسلامی عقائد کی خلاف ورزی ہوگی۔ اگر ہم قرآن مقدس کا ترجمہ صرف افریکن زبان میں چھاپیں بغیر عربی اصل کے۔ ثانیاً کیا کسی اسلامی قانون کی خلاف ورزی تو نہ ہوگی۔ اگر غیر مسلم یا کافروں کو قرآن مجید کی ترجمہ شدہ کاپیوں بمعہ یا بغیر عربی اصل کے ہاتھ میں لینے کی اجازت دی جائے۔ ترجمہ شدہ کاپیوں کی جو بغیر عربی اصل کے ہیں کی تعمیم کی مثالیں:

۱۔ انگریزوں کیلئے بذریعہ مارمک پھکتھال ۲۔ اردو بولنے والوں کیلئے بذریعہ حضرت مولانا ......

۳۔ فرانسیسی لوگوں کے لئے بذریعہ ڈاکٹر حمید اللہ۔ ثالثاً ہمیں مشورہ دیں کہ کونسا طریق کار اسلام کی تبلیغ کے لئے ایک ایسے ملک میں جیسا کہ ہمارا ہے۔ جہاں کی غالب اکثریت غیر مسلموں کی ہے۔ اختیار کیا جا وے۔ غیر مسلم استدعا کرتے ہیں۔ کہ انہیں قرآن مقدس کی ایک کاپی دی جائے۔ ہم نے مصمم ارادہ

کیا ہے۔ کہ ہم جملہ اسلامی عقائد پر عمل پیرا رہیں گے۔ اور اس لئے مشکور ہوں گے، اگر آپ اپنی خوب سوچی ہوئی رائے سے مندرجہ بالا امورات کے متعلق ہمیں مستفیض کریں۔ والسلام

منجانب: اسمٰعیل والی جنرل سیکرٹری ٹرانسوال جنوبی افریقہ۔

جواب

ترجمۂ قرآن عربی متن کے بغیر شائع کرنے میں حسب ذیل مفاسد ہیں۔ خواہ کتنی ہی نیک نیتی پر مبنی ہو:-

۱۔ اس میں سلف صالحین کی مخالفت ہے۔ کیونکہ انہوں نے باوجود ضرورت مذکورہ کے ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ غیر مسلموں میں اشاعتِ اسلام و قرآن کا جذبہ ہم سے بدرجہا زیادہ موجود تھا۔

۲۔ نیز ایسا کرنے میں عیسائیوں کی تقلید ہے۔ کہ انہوں نے تورات و انجیل کے متعلق ایسا کیا۔

۳۔ ترجمۂ قرآن لکھنے والے اپنے ترجمہ کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور اسکو قول خدا اور جزو ایمان قرار دیتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر اس کے ساتھ عربی متن موجود نہ ہو تو یہ کیسے معلوم ہوگا۔ کہ یہ مترجم کی اپنی رائے ہے جسکو وہ قرآن کے ترجمہ کے نام سے پیش کر رہا ہے۔ یا واقعی قرآن اور خداوند تعالیٰ کا حکم ہے۔

۴۔ صرف ترجمہ پر اکتفا کرنے سے مسلمانوں کی نگاہ الفاظِ قرآنی کی حفاظت سے ہٹ کر صرف ترجمہ پر مرتکز ہو جائے گی۔ اور رفتہ رفتہ عربی متن کی اہمیت ختم ہو کر تراجم میں باہمی اختلافات کی وجہ سے تحریف و تبدیلِ قرآن کا دروازہ کھل جائے گا۔ جیسے عیسائیوں میں ہوا۔ اور وحدتِ قرآن کی متاعِ عزیز کی نعمتِ کبریٰ سے جو مسلمانوں کیلئے اساسِ ایمان ہے۔ وہ محروم ہو جائیں گے۔

۵۔ اس کے علاوہ عربی زبان جو لسانِ قرآن ہے، اسکی اہمیت بھی مسلمانوں میں ختم ہو جائے گی۔ جیسا کہ اس قسم کے تراجم سے عبرانی زبان اور لسانِ تورات و انجیل کا انجام ہوا۔

۶۔ الفاظِ قرآن جس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا وعدہ ہے۔ اس سے بھی بتدریج مسلمانوں کے محروم ہو جانے کا خطرہ ہے۔ جیسے اہلِ کتاب کا حشر ہوا۔ وہی ہمارا بھی ہوگا۔

۷۔ ہدایت کے لئے صرف ترجمہ چنداں مؤثر نہیں، بلکہ بڑا اثر الفاظِ قرآنی میں ہے۔ جب مضامین قرآن کو جاذبِ قلوب اور پرشکوہ الفاظ قرآنی سے علیحدہ کیا جائے گا۔ تو ان میں ہدایت کی وہ روح باقی نہ رہے گی جو عبارتِ قرآنی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ان مفاسد کی وجہ سے بلا متن تراجم کی اشاعت درست نہیں۔ اس لئے سلف صالحین نے

باوجود کثرت کفار اور شدید حرص تبلیغ کے ایسا نہ کیا۔

عندالضرورت متن عربی کے ساتھ ترجمہ شدہ قرآن غیر مسلموں کو دینے میں حرج نہیں۔ اور نہ وہ طہارت جیسے فروعی احکام کے مکلف ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل عیسائی بادشاہ کو جو خط تحریر فرمایا اس میں قرآنی آیات قل یااھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ۔۔۔ الخ درج تھیں۔ جسکی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج ۱ ص۲۰ میں لکھتے ہیں : فیفید الجواز علی ما اذا وقع احتیاج الی ذالک کالابلاغ والانذار کما فی ھذہ القصۃ واما الجواز مطلقاً حیث لاضرورۃ فلا یتجہ (انتہیٰ) اور فتح القدیر ج ۱ ص۱۱۷ میں لکھا ہے : لاباس بدفع المصحف الی الصبیان واللوح وان کانوا محدثین لایأثم المکلف الدافع کما یأثم بالباس الصغیر الحریر وسقیہ الخمر وتوجیہہ الی القبلۃ فی قضاء حاجتہ ۔ للضرورۃ فی ھذا الدفع وفی العنایۃ لاباس بان یدفع الطاھرون المصحف الی الصبیان المحدثین لانہ لو لم یکن کذالک فاما ان یمنع المصحف وفیہ تضییع حفظ القرآن او یؤمر بالتطہیر وفیہ حرج علیہم لانہم لم یکلفوا بذالک ۔ یہ حوالہ جات خالص قرآن (بلا ترجمہ) کے متعلق ہیں۔ ترجمہ متضمن قرآن کا حکم نسبتاً اس سے اخف (آسان) ہے۔ وفی بذل المجہود ج ۳ ص۲۳۵ فی شرح حدیث ابن عمرؓ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو استدل بہ علی منع تعلیم الکافر القرآن وبہ قال مالکؒ مطلقاً واجازہٗ ابوحنیفہؒ مطلقاً وعن الشافعیؒ قولان وفصّل بعض المالکیۃ بین القلیل لاجل مصلحۃ قیام الحجۃ علیہم فاجازہٗ وبین کثیر فمنعہ ویؤیدہٗ کتب النبی صلعم الی ھرقل بعض الآیات ونقل النوویؒ الاتفاق علی جواز الکتابۃ الیہم ۔

تبلیغ کے دو طریقے ہیں۔ ۱۔ تحریری ۔ ۲۔ تقریری ۔ تحریری میں ایسے مختصر دیسی زبانوں میں کتابچوں کی اشاعت کی ضرورت ہے جس میں اسلام کی خوبیاں اور بزرگانِ دین کے واقعات دلکش پیرائے میں بیان ہوں۔ اور تقریری ذریعہ میں یہ ضروری ہے کہ ہر ایک مسلمان کم از کم ایک غیر مسلم کے ساتھ دوستانہ ربط پیدا کرکے اپنے عمل اور قول اور حسن اخلاق کے ساتھ اسکو اسلام کی ترغیب دیا کرے اور اس کارکردگی کو تاحین حیات اپنا معمول بنائے۔ ▲ ▲ ▲

امیر التبلیغ مولانا محمد یوسف دہلویؒ کی وفات سے چند روز قبل ٹل میں کی ہوئی تقریر اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں

دیارِ محبوبؐ کا ایک سفر

قسط دوئم

داعی کبیر شیخ مصطفیٰ السباعی علیہ الرحمۃ

تلخیص و ترجمہ : ادارۃ الحق

دوسری بات یہ کہ میں نے ایام حج میں صحت اور سکون سے ایسے دن گزارے کہ میں نے اپنی سات سالہ طویل مرض کے دوران کبھی ایسے نہیں دیکھے تھے۔ ان سات سالوں میں پہلی بار میں نے اپنے دماغ کی ٹیس اور درد میں افاقہ محسوس کیا۔ نماز کے لئے مسجد کے سخت سنگ مرمر پہ صحیح اور تندرست لوگوں کی طرح اٹھ بیٹھ سکا۔ یہاں تک کہ مجھ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی ہمت پیدا ہوئی جس وقت میں مکہ معظمہ میں وارد ہوا۔ تو مجھے ڈولے میں اٹھا کر طواف عمرہ کرایا گیا۔ پھر جب میں مکہ مکرمہ چھوڑ رہا تھا، میں نے خود چل کر طواف وداع کیا۔ میری صحت کی اس حیرت ناک تبدیلی کا احساس اس شخص کو ہوا۔ جو میرے ساتھ اس سفر میں رہا اور جسے میری پہلی حالت معلوم تھی۔ اس محیر العقول تبدیلی صحت کی توجیہ میرے پاس بجز ان مقامات مقدسہ کی برکات اور تاثیر کے کوئی نہیں۔ میں اس کو عقیدہ اور اسکی پختگی کی تاثیر قرار دیتا ہوں۔ جو ان مبارک مقامات کے متعلق میرے دل میں راسخ ہو چکا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حسن و زیبائی کے جلال اور جمال کی وہ فضیلت دی ہے جس میں دنیا کا کوئی ٹکڑا ان کا ہمسر نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں سچے مسلمان بدل و جان اسکی تصدیق کریں گے۔ اور ان کا دل ان برکات کی مزید تصدیق پہ مطلق ہو گا۔ البتہ جدت پسند اور ناشناس لوگ ان حقائق اور برکات کا مذاق اڑائیں گے۔ مگر میرا روئے سخن تو مومنین صادقین کی جانب ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان مقامات مقدسہ اور روحانی فضاؤں سے جدا ہونے کے بعد کئی دفعہ اس شدید تکلیف اور بیماری نے دوبارہ بھی آگھیرا جن کا سامنا تبدیلی صحت کے بارہ میں

یہ وہ حقیقتِ حال ہے جو میں نے اس سفر کے دوران محسوس کی۔ رہے حج مبارک اور زیارۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد نبویؐ میں صلوٰۃ و سلام کی پیشکش کے روحانی اور معنوی اثرات تو بخدا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری نئی ولادت ہوئی اور میں نے اسی دنیا میں نیا جنم لیا۔ اس روحانی تاثیر و تاثر کی تفصیل میں اپنے دوسرے مضمون "حج اور اس کے مشاہدات" میں کروں گا۔ اس سفر میں خداوندکریم کی تیسری نعمت یہ ہوئی کہ میں نے اپنے بعض ان امراض کے اثرات کو بھی مٹتے دیکھا جس میں میٹھی یا نشا آور غذاؤں سے پرہیز لازمی ہوتی ہے۔ مثلاً ذیابیطس کی بیماری جس کی وجہ سے اطباء اور ڈاکٹروں کی ہدایات کی بناء پر میں ہمیشہ ان اشیاء سے پرہیز کرتا رہا۔ اور اس پرہیز کی بدولت کافی فائدہ بھی محسوس کرتا رہا۔ مگر جب مدینہ منورہ پہنچا تو مجھے اس ہدایت مبارک پر عمل کرنے کی سخت حرص پیدا ہوئی کیونکہ مجھے حضورؐ کی سچائی پر یقین و ایمان تھا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے :

من اصطبح کل یوم بسبع تمرات	جس نے صبح نہار منہ سات کھجور کھائے۔
وفی روایۃ من تمرات المدینۃ	بعض روایتوں میں ہے، مدینہ کے کھجور تو
لم یضرہ فی ذلک الیوم سم ولا داءٌ	اس دن اس شخص کو زہر اور کوئی بیماری ضرر نہ پہنچا سکے گی۔

اس حدیث کے پایہ حجت اور ثبوت تک پہنچنے کے بعد میرا اس پر یقین کامل تھا۔ اس سے قبل جن لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبی سچائیوں میں شک پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس حدیث پر بھی اعتراضات کئے۔ میں نے اپنی کتاب "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" میں ان لوگوں کی سختی سے تردید کی تھی۔ اس یقین و ایمان کی وجہ سے میں نے معمول بنالیا۔ میں ہر صبح نہار منہ سات کھجور کھانے لگا اس کے علاوہ ارشادِ ربانی "فیہ شفاء للناس" (شہد میں لوگوں کیلئے شفاء ہے) کی بناء پر میں کبھی کبھار خالص شہد بھی کھانے لگا۔ حجاز جہاں کے باشندوں کی غالب تعداد گوشت سمیت چاول کھاتی ہے۔ وہاں چاول سے بھی پرہیز میرے بس کی بات نہ رہی اور چاول بھی کھاتا رہا۔ میرے سفرِ حجاز کیلئے دمشق سے روانگی سے لیکر اب تک پانچ مہینے گذرنے اور میں تقریباً ہر روز شوگر (ذیابیطس) کیلئے پیشاب کا معائنہ کراتا ہوں۔ ایک مرتبہ خون کا بھی ٹیسٹ کراچکا ہوں۔ مگر شکر کے اثرات بالکل نہیں پائے گئے۔ میرے نزدیک یہ بھی خداوندکریم کے اس بے پایاں فضل و کرم کا ایک کرشمہ ہے کہ جس نے خالص اسکی رضاجوئی کا قصد کیا جب اس کے سچے پیغمبر کی کوئی ایسی بات سنی جو علماء فنِ حدیث کے شرائط و اصول پر پوری اترتی ہو تو اسکی سچائی پر یقین کیا۔ میں نے یہ بات اس

وجہ سے ذکر کر دی کہ ہمارے نوجوان طبقہ کا اپنے دین، اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سنت کی سچائی پر ایمان میں مزید پختگی آئے خداوند تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی خود تصدیق فرمائی؛

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے۔ یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ شوگر کے مریض میرا ہی طرز عمل اختیار کریں اور پرہیز ترک کر دیں۔ جب تک کسی کو پختہ اور مضبوط ایمان اور اللہ سبحانہٗ کی ذات پر مخلصانہ اور سچا اعتماد و یقین حاصل ہو۔ وہاں اگرچہ یہ چیزیں حاصل ہوں تو کیا عجب کہ انہیں بھی اس طرح کا افاقہ حاصل ہو جائے۔ حکماء اور طبیب تو ان اشیاء کو ہر حال مضر اور قابلِ اجتناب سمجھتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر ان سے مناقشہ کئے بغیر ان کے نظریات ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ میں خود طبِ نبوی علیہ السلام کو آزما چکا اور کھجور کے بارہ میں حضورؐ کے ارشاد کی سچائی اور صحت سے حضور کا وصفِ مسیحائی بھی مجھ پر عیاں ہو چکا۔ یہی حال شہدِ مصفّیٰ کا ہے جس کی شفائی خاصیت کا خود قرآن میں ذکر ہے ـــــ اس سے قبل یورپ میں علاج کے دوران ۱۹۵۹ء میں شہد کا استعمال کر کے اسکی سچائی کا مشاہدہ کر چکا ہوں۔ ایک مصری دوست کو مصر کا خالص شہد آیا کرتا تھا۔ میں ہسپتال میں رہائش کے دوران سترہ دن تک تقریباً ایک کیلوگرام شہد کھاتا، جیساکہ یورپ کے ہسپتالوں کا دستور ہے۔ یہاں بھی ہر روز لیبارٹری میں میرے پیشاب اور خون کا معائنہ ہوتا رہا۔ مگر ان دنوں شکر کے آثار کبھی خون اور پیشاب میں نہیں پائے گئے۔ ابھی چند سال پہلے کی بات ہے کہ ذیابیطس کے مریضوں کی شہد خالص سے شفایابی کا مسئلہ پورے زور سے اٹھ کھڑا ہوا تھا جبکہ ایک روسی ڈاکٹر نے شوگر کے مریضوں پر اسے آزمایا۔ اور انہوں نے اس سے شفا پائی۔ روسی ڈاکٹر کے اس تجربہ سے دوسرے ڈاکٹر انکار کرنے لگے بحث و مباحثے کا سلسلہ شروع ہوا۔ گو ابھی تک یہ لوگ انکار یا اقرار پر اتفاق نہیں کر سکے۔ مگر ایک مومن کے نزدیک تو اس میں شک کی گنجائش نہیں پھر خاص طور سے مجھے تو اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اعتدال کے اندر اندر اس کا استعمال کیا جاوے اللہ جسے چاہے حق کی طرف ہدایت دے ـــــ والحمد للہ الذی ھدٰنا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدٰنا اللہ۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں طب نبوی اور اس پر ایمان لانے والوں کے نزدیک اس کی اثر آفرینیوں کے بارہ میں امام ابن قیم کا ایک قول نقل کر دیا جائے۔ ابن القیمؒ زاد المعاد ص ۳/۴۷ میں فرماتے ہیں۔ "طب نبویؐ کے ذریعہ اکثر بیماریوں کے شفایاب نہ ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا

(باقی صفحہ ۵۱ پر)
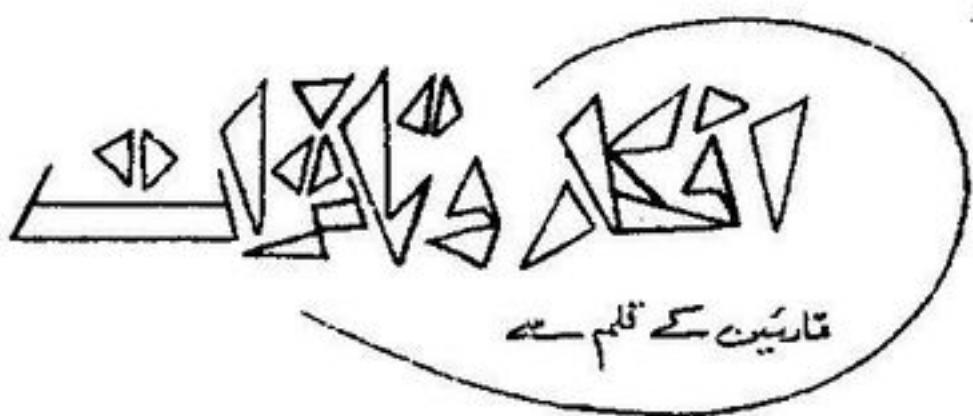
ریڈیو سے پرویز کا درسِ قرآن

ریڈیو پاکستان لاہور سے غلام احمد پرویز درس قرآن کا فیصلہ ایک ایسا نامسعود فیصلہ ہے کہ ہم نے ایک سو ایک بار سوچا، مختلف زاویوں سے سوچا، ہر قسم کے تعصبات سے پاک ہو کر سوچا، لیکن ہماری سمجھ میں نہ آسکا کہ اس کے محرکات کیا تھے۔ وہ کونسی اندلسی اور دمشقی مصلحتیں تھیں جنہوں نے پرویز جیسے انسان کو اس مسند پر لا کھڑا کیا جس کا ہر لحاظ سے وہ اہل نہ تھا، جس کے بارہ میں ہر مکتب فکر کے علماء مسلمان نہ ہونے کا فتویٰ صادر فرما چکے ہیں۔ جو سرے سے مسلمان ہی نہیں وہ درس قرآن دے سہ

دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہے گریباں سے

قصرِ کسریٰ پہ تارِ عنکبوت کی پردہ داری اتنی افسوسناک نہیں جتنی پرویز صاحب جیسے نامسلمان سے معارفِ قرآنیہ۔ کچھ دن ہوئے اسی ریڈیو سے جب ایک مسافر سے ربوہ کی ڈائری سنائی گئی تو اس وقت بھی ہم نے اپنے کانوں پر اعتبار کرنے میں دقت محسوس کی اور اپنے دل کو طفل تسلی دینے لگے۔ کہ ممکن ہے بے خبری میں یا مرزائی حضرات نے آنکھوں میں دھول ڈال کر یہ حرکت کروائی ہو۔ لیکن اب یہ فیصلہ جب منظرِ عام پر آیا تو خامہ انگشت بدنداں اور ناطقہ سر بگریباں ہے۔ کہ اسے کیا کہا جائے۔ اسے کیا لکھا جائے؟ ہم لاہور ریڈیو کے اربابِ اختیار سے دو ٹوک عرض کرتے ہیں۔ کہ انہیں فرزندانِ غیرت کا بخوبی احساس ہوگا۔ جو چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارتِ خارجہ جیسے دنیاوی منصب پر گوارا نہ کر سکا۔ تو اس دینی فریضہ درسِ قرآن پر پرویز جیسے انسان جن کا کفر شک کی حدود سے گذر کر یقین کی وادی میں داخل ہو چکا ہے۔ کس طرح برداشت کر سکیں گے۔ کیا انہیں اس کے شدید اور چونکا دینے والے ردِ عمل کا قطعاً احساس نہیں کہ درسِ قرآن کے نام پر اشاعتِ کفر کا خوشگوار فریضہ سرانجام دیا جا رہا ہے سہ

یارب زسیل حادثہ طوفان رسیدہ باد   بتخانہ کہ خانۂ نقشش نام کردہ اند

ہم خواجہ شہاب الدین صاحب اور ملک امیر محمد خان صاحب گورنر مغربی پاکستان جو اپنے پہلو میں ایک حساس دل رکھتے ہیں سے التماس کرتے ہیں، کہ اس سلسلہ میں فوری مداخلت فرما کر اس فتنہ کے سرچشمہ کو بند فرماویں۔ اور ریڈیو لاہور کے ارباب بست وکشاد سے بھی پوری دل سوزی سے عرض گذار ہیں ؎

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

(مولانا عبدالرزاق سنگین)

مجلس معارف القرآن دیوبند

تصنیفی راہ سے "دینی خدمت" کو "جماعت دارالعلوم دیوبند" نے اپنی تاریخ کے ہر دور میں درسی تعلیم دین کے ساتھ مستقل مقصد قرار دیکر انجام دیا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت واقعہ ہے۔ کہ گذشتہ ایک صدی میں "تصنیفِ اکابر" نے مشرق اور مغرب میں ہزاروں میل کے فاصلے طے کر کے جہاں لاکھوں دلوں میں فدا ایمان کی حفاظت کی ہے۔ وہیں ہزاروں دلوں میں شمع ایمان روشن بھی کی ہے۔ "مجلس معارف القرآن" اکابر کے اسی متوارث طریق خدمت کی باضابطہ اداری صورت ہے۔ اور اسی ادارے نے دارالعلوم دیوبند کے اسی فیضانِ علمی کو زیادہ سے زیادہ عام اور عالمگیر بنانے کے لئے دو بین الاقوامی زبانوں یعنی عربی اور انگریزی میں تراجم مصنفات کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر کے اپنے دائرہ کار کو وسعت دی ہے۔ چنانچہ صدر مجلس کی گرانقدر تصنیف "دینی دعوت کے قرآنی اصول" عنقریب اردو، عربی اور انگریزی زبان میں اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ جو انشاء اللہ نذر خدمت ہوگی۔

(مولانا محمد سالم قاسمی معتمد مجلس عمومی
مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند)

مکتوب مدینہ طیبہ

اسی سال صحیح میں بظاہر ازدحام نسبتاً کچھ کم تھا۔ لیکن باوجود اس کمی کے طواف اور سعی کی مشکلات میں ہم نے کوئی خاص فرق محسوس نہیں کیا طواف زیارت کے روز سنا ہے کہ ایک آدمی مطاف میں مرگیا۔ سعی میں مرے ہوئے آدمی کی لاش تو ہم نے خود دیکھی۔ حج سے قبل مدینہ منورہ میں حجاج کا ازدحام معمول سے زیادہ رہا۔ اسی سال پاکستان کے علاوہ اور کئی ملکوں نے بھی مختلف اسباب کی بناء پر حاجی معمول سے کم بھیجے لیکن باوجود اس کے مدینہ میں ازدحام زیادہ رہا جس کی وجہ مختلف ملکوں سے حجاج کے قافلوں کا یکدم مدینہ میں پہنچ آنا تھا۔ ان دنوں میں ایک عورت سلام عرض کرتے وقت پاؤں کے نیچے آکر مرگئی تھی۔ "قانون اسلامی" کے لئے فیصل

کی تحریک کی خبریں آپ نے ملکی اخبارات میں پڑھی ہونگی۔ آج کل یہ مسئلہ کچھ ٹھنڈا پڑگیا ہے۔ حج کے موقعہ پر شاہ فیصل نے جو تقریر کی ہے۔ اس میں جمال عبدالناصر کے الزامات کا جواب دیا۔ عبدالناصر کی تقریر ممکن ہے آپ نے اخباروں میں پڑھی ہو۔ اس نے اس تحریک کو استعماری حلف قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کا مقصد امریکہ اور برطانیہ کے سامراجی ارادوں کی خدمت کرنا ہے۔

(عبداللہ کاکاخیل۔ جامعہ مدینہ طیبہ)

تحسین اور مشورہ

الحق کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ ماشاء اللہ محاسن صوری و معنوی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے کہ رسالہ کی یہ جاذبیت کم نہ ہونے پائے۔ جاذبیت کے ساتھ رسالہ کا یہ پہلو بھی قابل قدر ہے کہ وہ عرب ممالک کے بہترین دماغوں کے نتائج قلم سے پاکستان والوں کو روشناس کرا دیتا ہے۔ اس بات کی بھی خوشی ہوئی کہ رسالہ کے ساتھ انگلستان کے مسلمانوں نے بھی اپنے آپ کو وابستہ کرنا مناسب سمجھا ہے۔ آپ یہ بھی کوشش فرمادیں کہ ہر مہینے کسی نہ کسی نئے اسلامی ممالک کے اسلامی مساعی سے پاکستان والوں کو واقفیت حاصل ہو سکے۔ تاکہ رابطۂ اسلامیہ کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔

(مولانا عبدالقدوس چیرمین شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی)

الحق کے دو پرچے نظر سے گذرے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کی اس کامیاب مبارک اور موزوں جدوجہد پر آپ کو تفصیلی خط لکھوں اور آپ کی اس کامیاب ترین علمی اور صحافی جدوجہد جدت آفرینی پر مبارکباد پیش کروں۔ ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے جو مضامین آپ کو دستیاب ہوں ان کا ترجمہ کر کے آپ رسالہ میں شائع کرتے رہیں۔ فیض الباری کے اقتباسات بھی آنے چاہئیں۔

مولانا سید ازہر شاہ قیصر (ابن علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ)
مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند انڈیا

الحق کا اداریہ

یقیناً الحق کی صدا نے بہت سے کج ذہنوں اور فلسفہ کے دلدادوں کے شکوک و شبہات کو رفع کر کے ان کو تعلیمات اسلامیہ میں تفکر و تدبر کی دعوت دی ہے۔ نیز یاد دلایا ہے۔ کہ جس قوم کی تہذیب و تمدن سائنسی قوتوں کے اعتماد پر استوار ہو بلاشبہ ایک دن ان کو موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ پروفیسر لاسکی نے بھی خوب کہا تھا۔ "جو تہذیب صرف مادی قوتوں کی بنیاد پر استوار کی گئی ہو وہ یقیناً تباہ ہو کر رہتی ہے۔ جیسے کہ ہماری تہذیب تباہ ہو رہی ہے۔" الفضل ماشہدت

بہ الاعداد۔ خدا کرے کہ الحق کی روشنی گھر گھر پہنچے اور یہ اسلام کا ایک زبردست نقیب بن جائے۔

(مولانا رحمت اللہ مدرس جامعہ اسلامیہ ٹنگی)

علماء اسلام کی تصریحات

مدرسہ نجم المدارس کلاچی کا پندرھواں عظیم الشان جلسہ ۱۱، ۱۲ اپریل ۱۹۶۶ء کی درمیانی رات کو ختم ہوا۔ تحصیل کلاچی اور ٹانک کے عوام نے بھاری تعداد میں شرکت کی۔ جلسہ کی مختلف نشستوں میں ملک کے مشاہیر علماء اور خطباء نے خطاب فرمایا۔ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مہتمم مدرسہ ہذا نے پہلے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے عربی مدارس کی ضرورت پر مفصل روشنی ڈالی اور ۱۳۸۵ھ کے وفیات الاعیان بالخصوص مدرسہ ہذا کے بانی محترم استاد الکل مولانا قاضی محمد نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی۔ محدث کبیر بدر العلماء حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ۔ عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری۔ مولانا قاری عبدالرحمٰن ہموکوی، حضرت مولانا محمد عجب نور صاحب مہتمم مدرسہ معراج العلوم بنوں اور ستمبر ۱۹۶۵ء کے دفاع میں شہداء کرام بالخصوص عزیز بھٹی اور دوسرے مجاہد نوجوانوں کے حوادث ارتحال پر انتہائی غم و اندوہ کا اظہار کرتے ہوئے ان کی مغفرت اور رفع درجات کیلئے دعا کی۔۔۔ تمام خطباء کرام نیز اکابر بزرگ اور علماء اسلام اپنی تقاریر میں اس امر پر متفق تھے کہ دینی فتنوں سے بچنے اور اسلام کو حقیقی صورت میں پہچاننے کے مراکز صرف عربی مدارس ہی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کا اولین فریضہ ہے کہ وہ ان مراکز دین کو باقی رکھنے اور ان کے استحکام کی طرف پوری توجہ دیں اور نئی نسل کو سب سے پہلے اس اسلام سے روشناس کرائیں جو سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے سامنے پیش کیا اور جس کی وہ تعبیر جو صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام نے کی مستند طریقہ سے ہم تک پہنچی تاکہ وہ اسلام کے بارے میں کسی کے فریب میں نہ آسکیں۔ پھر جو فن اور جو کام چاہیں سکھائیں۔ تمام علماء نے اس پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ ان دینی مراکز کو جسطرح انگریز کے دور میں بھیک مانگ کر چلایا جاتا تھا۔ قومی بجٹ کی نافرض شناسی سے اب بھی ان کیلئے قوم سے گداگری کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح تمام مقررین نے خاندانی منصوبہ بندی کو اشاعت فحش و زنا کا بدترین ذریعہ بتایا۔ اور لوگوں کو اس فتنہ سے بچنے کی تلقین کی۔ اسی طرح متفقہ طور پر سب حضرات نے عائلی قوانین کو مداخلت فی المذہب قرار دیا۔

آخری اجلاس میں تین قرار دادیں پاس ہوئیں۔۔۔ ۱۔ ممبران بنیادی جمہوریت کو خلاف مذہب امور جیسے عائلی قوانین وغیرہ کو رائج کرنے کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے۔ بلکہ ان سے ملک کی تعمیر کی خدمت لی جائے۔ ۲۔ قومی میلوں میں نٹوں اور کنجریوں کو نچانے کی اجازت نہ دی جاوے۔ ۳۔ یہاں کلاچی میں محرم میں پورا امن دامان رہتا ہے۔ اسے برقرار رکھنے کیلئے تابوت نکالنے وغیرہ کے لائسنس جاری نہ کئے جاویں۔۔۔

(محمد زمان عفی عنہ (فاضل حقانیہ) مدرس نجم المدارس کلاچی)

ہمارے اسلاف

مولانا محمد اشرف صاحب ایم۔ اے شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور
رفیق اعزازی۔ الحق

شیخ کبیر محدث شہیر حضرت سیدنا غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کے نام نامی اور جلالت شان سے کون ناواقف ہے۔ ظاہری و باطنی علوم کی جامعیت و امامت، مسند درس و ارشاد کی صدر نشینی، فیض باطنی کی وسعت، مردہ دلوں کی مسیحائی، گمراہوں کی رہنمائی، مواعظ کی اثر پذیری، صحبت پاک کی تاثیر و برکت، کرامات کی کثرت، دین و شریعت کی خدمت، علمی تبحر، وسعت نگاہ اور دقت نظر، کس کس بات کو گنایا جائے ---- ع

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اسم گرامی عبدالقادر، کنیت ابو محمد، محی الدین لقب تھا۔ محبوب سبحانی غوث اعظم قطب ربانی کے نام سے امت نے پکارا اور حق یہ ہے۔ کہ امت کے اس رجل جلیل کے لئے یہ القاب عین حقیقت تھے۔ آپ کی پیدائش سنہ ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب دس واسطوں سے سیدنا امام حسنؓ تک پہنچتا ہے۔ اور سلسلہ مادری امام حسینؓ تک منتہی ہوتا ہے۔ مولد شریف جیلان نواح طبرستان ہے۔ تاریخ وصال باتفاق ربیع الثانی سنہ ۵۶۱ھ ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد تشریف لائے۔ اور باوجود عبادات و مجاہدات کی فطری کشش کے ہمہ تن علم کے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ باکمال استادوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ فرماکر علوم میں پوری مہارت حاصل کر لی۔ آپ کے اساتذہ میں ابوالوفا، ابن عقیل، محمد بن الحسن الباقلانی، ابو زکریا تبریزی جیسے نامور علماء کے نام پائے جاتے ہیں۔ آپ کی علمی وسعت نظر اور تبحر پر آپ کی تصانیف غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب شاہد ہیں۔ غنیۃ الطالبین میں آپ ایک فقیہ محدث صوفی کی حیثیت سے جلوہ فرما نظر آتے ہیں۔ فقہ میں آپ امام احمد بن حنبل کے پیروکار تھے۔

چنانچہ غنیہ میں کئی جگہ امام موصوف کو "امامنا" کے لقب سے یاد فرمایا۔ طریقت کی تعلیم شیخ حماد، شیخ ابویعقوب یوسف ہمدانی سے پائی۔ اور قاضی ابوسعید مخرمی سے تکمیل واجازت پائی۔ اور اس راہ کی اُن ترقیات پر فائز ہوئے۔ جو آپ ہی کا حصہ تھیں۔ امام یافعی کہتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ کی کرامات کی تعداد حدِ شمار سے افزوں ہے۔ ابن تیمیہؒ کا قول ہے۔ کہ آپ کی کرامات حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔ لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی، بے راہوں کو راہ حق پہ لگانا، غافلوں کو ذاکرو شاغل اور گنہگاروں کو احکام الٰہی کا پابند بنانا تھا۔ ایک لاکھ کے قریب اشخاص آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئے۔ اور پانچ ہزار کے لگ بھگ یہودی و عیسائی آپ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔

آپ علم وسلوک کی تکمیل کے بعد لوگوں کی اصلاح وتعلیم کی طرف متوجہ ہوگئے۔ برسہا برس تک تدریس وافتاء کا سلسلہ جاری رہا اور بے شمار اشخاص نے آپ سے ظاہری علوم میں بھی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

آپ نے اپنے شیخ قاضی ابوسعید مخرمی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں تعلیم وتلقین اور وعظ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ لوگوں کی اتنی کثرت ہوتی۔ کہ مخلصین کو عمارت میں اضافہ کرنا پڑا۔ آپ کی مجلس میں اس قدر ہجوم ہوتا تھا، کہ تل رکھنے کی جگہ نہ رہتی تھی۔ اثر کا یہ حال تھا۔ کہ بعض اوقات مجلس وعظ سے لوگوں کے جنازے تک اُٹھ جاتے تھے۔ علماء وفقہاء کثرت سے آپ کی مجلس میں آتے تھے۔ مجلس میں چار چار سو تک دواتیں شمار کی گئی ہیں۔ جو آپ کے وعظ لکھنے کے لئے لائی جاتی تھیں۔ علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے۔ کہ میں نے کسی شخص کی عزت دین کی وجہ سے آپ سے زیادہ ہوتی نہیں دیکھی۔ بادشاہ و وزرا خدمتِ اقدس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے تھے۔ جو آتا فیوض سے مالامال ہو کر جاتا تھا۔ اصلاح وہدایت و تربیت وارشاد کی برکات نے بغداد کو متواتر پچاس ساٹھ سال تک مرجع خلائق بنائے رکھا۔ آپ کے وعظ پند ونصائح، حق کی دعوت، رب کی محبت، آخرت کی فکر، حلال وحرام، جائز وناجائز کا اہتمام، معاشرت کی درستگی، اخلاق کی اصلاح، معاملات کی صفائی، دنیا سے بے رغبتی، بدعات سے نفرت، توحید کاملہ کے حصول، خداوندِ قدوس پہ کامل اعتماد ویقین، توکل واخلاص اور طریقت وشریعت کے حقائق ومعارف کے مضامین پہ مشتمل ہوتے تھے۔ ہر لفظ اندر سے پھوٹ کر نکلتا تھا، جو سنتا تھا تاثیر میں ڈوب جاتا تھا۔ کہ ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ حضرت شیخ قدس سرہ کے مواعظ وتصانیف کا سب سے بڑا کمال اور برکت

یہ ہے۔ کہ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اُن کے مضامین دلوں کی زندگی کو بدل دیتے ہیں۔ اور انسان کے تعلق کو مخلوق سے خالق کی طرف دنیا سے عقبیٰ کی سمت اور رسوم و بدعات سے احکام الٰہی اور سنت کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ آپ کے مجموعہ وعظ "الفتح الربانی" کی تاثیر آج بھی دلوں کو گرما دیتی اور آنکھوں کو پرُنم بنا دیتی ہے۔ کاش! حضرت محبوب سبحانی نور اللہ مرقدہٗ کے محبین و معتقدین حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو حرزِ جان بناتے۔ تو آج بھی حضرت والاؒ کی اصل تعلیمات اور فیوض و برکات سے بہرہ مند ہو جاتے۔ کہ حضرت کا فیض ان میں بند ہے۔ اس طرح پچھلے دور کی غلط رسوم و قیود و بدعات سے محفوظ ہو جاتے۔ اور حقیقت میں حضرت پیران پیرؒ کی اصل محبت و عقیدت یہی ہے۔ کہ ان کی بابرکت تعلیمات و اسوہ کو اپنایا جائے۔ اور جن چیزوں سے حضرت نے منع فرمایا ہے۔ اُن سے بچا جائے۔

حضرت سیدنا شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے۔ جن کو تقدیرِ الٰہی اس عالم میں نیابت نبوت کے لئے چنتی ہے۔ اسی لئے آپ کی سیرت و اخلاق سید کونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق کا نمونہ تھا۔ آپ کے دیکھنے والے اور معاصرین آپ کے اونچے اخلاق، بلند حوصلگی، عاجزی و فروتنی، سخاوت و ایثار، نیک طینتی و پاکبازی اور دیگر اوصافِ حمیدہ کی تعریف میں متفق ہیں۔ ایک بزرگ جنہوں نے بہت سارے بزرگوں کو دیکھا اور اُن کی صحبت اٹھائی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ "میری آنکھوں نے حضرت شیخ عبد القادر سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق، فراخ حوصلہ، کریم النفس، نرم دل، محبت اور تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اپنی بزرگی، مرتبہ کی بلندی، اور وسعت علم کے باوجود چھوٹے کی رعایت فرماتے، بڑے کی عزت فرماتے۔ سلام میں پہل کرتے، کمزوروں کے پاس اُٹھتے بیٹھتے، غریبوں کے پاس تواضع اور عاجزی سے پیش آتے۔ حالانکہ کسی سربرآوردہ یا رئیس کے لئے تعظیماً کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ اور نہ کسی وزیر یا حاکم کے دروازے پر کبھی تشریف لے گئے۔

امام ابو عبد اللہ الاشبیلی فرماتے ہیں۔ "آپ مستجاب الدعوات تھے۔ (اللہ کی محبت و خشیت میں) جلد رو دینے والے، ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے والے، نرم دل، ہنس مکھ، شریف النفس، فراخ دست، بڑے علم والے بلند اخلاق اور عالی نفس تھے۔ عبادات و مجاہدہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا"۔

تسلیم و تفویض اور توحید کامل حضرت کا خصوصی حال تھا۔ غرض آپ کی ذات حسین اخلاق کا نمونہ، بھلائی و نیکی کا نشان اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ تھا ــــ حضرت شیخ قدس سرہٗ امر بالمعروف

اور حق گوئی میں دنیا کی کسی طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ خلیفہ وقت تک کو خلاف دین بات پر اسطرح ڈانٹ دیتے تھے۔ کہ وہ لرز اٹھتا تھا۔ جب خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے قاضی ابوالوفا کو قاضی بنایا۔ تو حضرت ؒ نے بر سر منبر خلیفہ کو مخاطب کرکے فرمایا: تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے۔ جو اظلم الظالمین یعنی سب سے بڑھ کر ظالم ہے۔ کل کو قیامت میں تم اس رب العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے۔ کیا جواب دو گے" خلیفہ پر یہ سن کر کپکپی اور گریہ طاری ہوگیا۔ اور اس نے اسی وقت قاضی کو عہدہ سے ہٹا دیا اسیطرح درباری اور سرکاری علماء اور مشائخ کی پر زور تردید اور پردہ دری فرماتے تھے۔ جو اپنے ذاتی وقار اور نفع کے لئے ظالم سلاطین اور حکام کی صحبت اختیار کرتے اور انکی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ ایک موقع پر اسی طبقہ کے ایک فرد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمتگاری اور حرام خوری پر آمادہ کر دیا ہے۔ تو کب تک حرام کھاتا اور ان ظالموں، بادشاہوں کا خدمتگار رہتا رہے گا۔ جن کی خدمت میں تو لگا ہوا ہے۔ انکی بادشاہت عنقریب ختم ہو جائیگی اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں آنا پڑیگا جسکی ذات کو کبھی زوال نہیں" داعیان حق کا ہمیشہ شعار اور دستور رہا ہے کہ دین کی شکست و ریخت پر ان کا دل پارہ پارہ ہو جاتا تھا۔ اور اس کیلئے اپنی پوری ہمت، بیداری و دلسوزی و عزیمت سے اپنے تن من کی بازی لگا دیتے تھے حضرت اقدس ؒ کا سوز دروں گویا ہوتا ہے۔ "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے درپے گر رہی ہیں۔ اور اسکی بنیادیں بکھری جاتی ہیں۔ اے باشندگان زمین آؤ جو گر گیا ہے، اسکو مضبوط کر دیں۔ اور جو باقی رہ گیا ہے اسکو درست کر دیں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی۔ سب ہی کو مل کر کرنا چاہئے۔ اے سورج! اے چاند! اور اے دن سب آؤ کہ مل کر دین کی گرتی عمارت کو سنبھال دیں" اپنی بات کو حضرت محبوب سبحانی قدس سرہٗ کی اس وصیت پر ختم کرتے ہیں۔ جو حضرت نے مشائخ کے بڑے مجمع میں اپنے بڑے صاحبزادہ شیخ سیف الدین عبدالوہاب کو وصال سے پیشتر ارشاد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کے جملہ محبین اور پوری امت کو حق کے ان کلمات کی پیروی نصیب فرمائے۔

" تقویٰ اور اطاعت الہٰی کو اختیار کرو۔ خدا کے سوا نہ کسی سے ڈرو، نہ کسی سے امید رکھو۔ تمام حاجات خدا ہی کو سونپ دو۔ اور اسی سے طلب کرتے رہو۔ بجز خدا کے کسی پر اعتماد نہ رکھو۔ اپنے اوپر توحید کو لازم پکڑو ـــــ اپنے اوپر توحید کو لازم پکڑو۔ کہ توحید ہی پر سب کا اتفاق ہے۔"

دیکھئے نادرۂ روزگار ہستی آئی۔ اور اپنے فیوض و برکات سے ملت کی کھیتی کو سرسبز و شاداب کر کے چلی گئی ۔ ۔ ۔

سالہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

علم و فضل کی دنیا

حیاء اولیاء

دوسری صدی ہجری کے ایک جلیل القدر بزرگ ہیں ابوبکر بن عیاش۔ حضرت عبداللہ بن المبارک اور عبدالرحمٰن بن مہدی اور علی بن المدینی جیسے ائمہ حدیث اور اساطین علم ان کے شاگردوں میں ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم جیسے اکابر ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں ـــــ امام نووی نے شرح مسلم میں ان کے صاحبزادہ ابراہیم کی روایت سے نقل کیا ہے۔ کہ والد ماجد (ابوبکر بن عیاش) نے مجھ سے فرمایا۔ "خدا کا فضل ہے تمہارے باپ سے کبھی بے حیائی اور بد اخلاقی کا کوئی عمل سرزد نہیں ہوا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے فواحش سے میرا دامن پاک رکھا ہے۔) اور اسی اللہ کی توفیق سے پورے تیس سال سے میرا معمول ہے کہ روزانہ ایک قرآن مجید ختم کر لیتا ہوں۔"

انہیں ابوبکر بن عیاش سے مروی ہے کہ اپنے صاحبزادے سے انہوں نے فرمایا۔ "دیکھو اپنے کو اس سے بہت بچائیو کہ میرے اس حجرہ میں تم سے کوئی معصیت سرزد ہو میں نے اس میں بارہ ہزار دفعہ قرآن مجید ختم کیا ہے۔" (یعنی قرآن پاک کے جو انوار اس حجرہ کے در و دیوار اور اسکی فضا میں سرایت کر گئے ہیں، ان کی حرمت کا حق ہے کہ اسی حجرہ میں اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہو) انتقال کے وقت ان کی صاحبزادی رونے لگیں تو فرمایا۔ "بیٹی مت رو۔ رونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا تمہیں اس کا ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کو عذاب میں ڈالے گا ـــــ؟ میں نے اپنے گھر کے اس گوشہ میں چوبیس ہزار دفعہ قرآن پاک ختم کیا ہے۔ (اس لئے مجھے اور تمہیں اپنے ارحم الراحمین مالک سے رحمت و مغفرت ہی کی امید رکھنی چاہیئے۔)

ابوبکر بن عیاش کے متعلق ان کے معاصر جلیل القدر امام یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ:

لَمْ يَضَعْ جَنْبَهٗ اِلَى الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ چالیس سال تک پہلو زمین سے نہیں لگایا۔ (یعنی چالیس سال تک لیٹے ہی نہیں[1])

(ماخوذ از شرح مسلم للنووی و خلاصۃ تہذیب الکمال للخزرجی) (الفرقان۔ لکھنؤ)

---

[1] آجکل کی طبائع کو ہو سکتا ہے۔ اس میں کچھ استبعاد ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اللہ کے خاص بندوں نے ایسی بہت سی مثالیں چھوڑی ہیں۔

تبرکات و نوادر
غیر مطبوعہ خطوط

علم و دین کا ماتم

حضرت مولانا عبد الرحمان کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

مشاہیر علماء اور اکابر کی نظروں میں

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمان کاملپوری مرحوم خلیفہ حضرت تھانوی کے وصال پر بے شمار علماء و مشاہیر نے شدید رنج و غم کا اظہار کیا ذیل میں چند تعزیتی خطوط کے اقتباسات پیش ہیں جو حضرت کے وصال پر ان کے صاحبزادہ مولانا قاری سعید الرحمان کے نام لکھے گئے۔ (ادارہ)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مظاہر العلوم سہارنپور حادثہ سے جتنا رنج و قلق ہے۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ یہاں سبھی اہل مدرسہ انتہائی رنجیدہ ہیں۔ اور خبر سننے کے بعد ہی سے دعا اور ایصال ثواب ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق کر رہا ہے۔ اور اس ناکارہ کے تو طالب علمی کے زمانہ سے مولانا مرحوم سے تعلقات تھے۔ حماسہ میں میرے والد کے یہاں میری ان کی تعلیم میں شرکت ہوتی اور پھر ایک ہی سال مدرسی ہوتی اور پھر اسکے بعد سے تو آپ کو معلوم ہے کہ تعلقات بڑھتے ہی چلے گئے۔ افسوس کہ اکابر و احباب بلکہ محبوب اصاغر بھی ایک ایک ہو کر جدا ہو رہے ہیں۔ یہ ناکارہ ہی سب کے رنج و غم سہنے کیلئے پڑا ہے۔ بہر حال بجز ایصال ثواب و صبر کے کیا چارہ ہے۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب اسیر مالٹا تلمیذ خاص حضرت شیخ الہند رح حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت سے سرفراز فرماوے اور آپ حضرات کو صبر جمیل سے بہرہ مند فرماوے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ربنا جعلنا لبشر من قبلک الخلد۔ آپ حضرات کے غم میں ہم سب شریک ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب شیخ الحدیث دار العلوم ٹنڈو الہ یار۔ جب مولوی محمد وجیہ صاحب کے نام آپ کا خط آیا کہ مولانا پر فالج کا اثر ہو گیا ہے۔ اور وہ یہ خط پڑھ کر روانہ ہو گئے۔ تو میں نے شعبان کی ۱۷ تاریخ کے بعد والی رات میں خواب میں دیکھا کہ حکیم الامت مولانا تھانوی رح کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خواب سے ہی مجھے کھٹکا ہو گیا تھا کہ مولانا عبد الرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت حکیم الامت رح

کے خلیفہ مجاز تھے۔ ان کا انتقال حکیم الامتؒ کے انتقال کا نمونہ ہے۔ دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ درجات عالیہ سے نوازے اور آپ سب صاحبان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

مولانا ڈاکٹر عبدالحئی صاحب کراچی۔ خلیفہ حضرت تھانویؒ

ایسی برگزیدہ اور مغتنم وقت ہستی کی مفارقت یقیناً آپ حضرات کے لئے اور ہم سب کے لئے انتہائی قلق کا باعث ہے۔ ان کا سایۂ عاطفت سب ہی کیلئے باعث صد خیر و برکت تھا۔ اب ان کی مخلصانہ دعا ہائے خیر سے محرومی واقعی سخت محرومی ہے۔ مگر سنِ مبارک کافی طویل ہو چکا تھا۔ اور عمر کے ساتھ مجبوریاں اور معذوریات بھی لاحق ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل و کرم کی آغوش میں لیکر ابدی راحت و مسرت قرب عطا فرما دی۔ اللہ تعالیٰ ان کے مراتبِ قرب میں اور درجاتِ مغفرت میں پیہم ترقی عطا فرما دیں۔ آمین۔ یہ بھی ثابت ہے کہ جس قدر قوی صدمہ ہوتا ہے۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو اپنی قوی رحمت سے بہرہ اندوز فرماتے ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا سانحہ پہلے معلوم ہو گیا تھا۔ دارالعلوم میں ختمِ قرآن کر کے ایصالِ ثواب بھی کرایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ ایسے حضرات کی موت صرف گھر والوں کے لئے مصیبت نہیں ہوتی۔ بلکہ پورے ملک کیلئے اور اہلِ زمین کیلئے مصیبت ہوتی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم سے احقر کا تعلق ان کی طالب علمی کے وقت سے تھا۔ عجیب فرشتہ صفت انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو مقامِ عالی عطا فرما دے۔

مولانا شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

حضرت مولانا عبدالرحمان نور اللہ مرقدہ کی وفات کی اطلاع پہنچی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایصالِ ثواب ختم قرآن کیا گیا۔ مولانا مرحوم کی وفات سے مسلمانانِ پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ دورِ حاضرہ میں آپ کی شخصیت نوادرات میں سے تھی۔ آپ علم تقویٰ اخلاق کے معیار تھے۔ آپ کے بعد اسلامی علوم کے مدرس بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور مصنف بھی مقررین بھی ہونگے۔ اور صاحبِ رشد و ہدایت بھی لیکن یہ مشکل ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحبؒ جیسی جامع شخصیت دوبارہ پیدا ہو۔ ہماری دعا ہے کہ حضرت مرحوم کو اللہ جل جلالہ اپنے مخصوص فضل و رحمت سے نوازے اور پسماندگان کو مولانا کی روحانی برکتوں سے حصہ وافر عطا فرما دے۔

علینا ان الاسعاد لو کان نافعا ... لیشقی قلوب لا لیشقی جیوب

مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

موت سے تو کسی کو مفر نہیں مگر بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی موت ہزاروں کی موت بن جاتی ہے۔ مخدومی حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ ہم بورہ کی جدائی ہم سب کے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ وہ ہمارے سرپرست اور دعاگو تھے۔ محط الرحال

کے اس پر آشوب دور میں مرحوم و مغفور کا طیب و طاہر وجود مسعود ہم خدام کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اسلاف کرام اور اکابرین دیوبند کی زندہ یادگار تھے۔ انہوں نے زندگی کے تمام لمحات کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت و احیاء میں بسر کئے۔ انشاء اللہ العزیز ان کو حق تعالیٰ نے اپنی آغوش رحمت میں اونچے مراتب سے نوازا ہوگا۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی حضرت کی وفات انفرادی صدمہ نہیں ہے۔ ہم ان کے لئے نہیں روتے وہ رفیق اعلیٰ سے جاملے اور اسلاف کے نقش اقدام پر چلتے ہوئے ان تک پہنچ گئے۔ یہ حضرات مرتے نہیں زندہ ہوتے ہیں۔ مادی وجسمانی حجابات مرتفع ہو کر ارواح مبارکہ کو استغراق کامل ولذت اکمل نصیب ہو جاتی ہے۔ رونا اپنا ہے۔ کہ ان بزرگوں کی جگہ پر نہیں ہوتی اور ہم اپنے بلند پایہ قابل اعتماد بزرگوں سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ حضرت تھانویؒ حضرت مدنیؒ۔ حضرت مفتی کفایت اللہؒ جو بات فرماتے الیقین و اعتماد ہوتا۔ بعد میں یہ چندہی نفوس تھے جن کا کسی سوال پر ہاں یا نہیں بھی قابل استناد تھا۔ حضرت میرے شفیق استاد تھے ان کے لئے دعا کروں گا تو کس کے لئے کروں گا۔

مولانا عبد العزیز صاحب خلیفہ اجل حضرت رائے پوریؒ آپ کے والد ماجد استاذی المکرم نور اللہ مرقدہ کے وصال کی اطلاع سے نہایت صدمہ ہوا۔ مرحوم اکابر کی یادگار تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرماویں۔ اور جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرماویں، قرب خصوص سے نوازیں۔ آمین پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرماویں۔ حضرت مرحوم کے لئے ایصال ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماویں۔ آمین

مولانا مفتی محمود صاحب ملتان رمضان المبارک میں کسی کی زبانی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی جانکاہ خبر سنی ــــ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی برکتوں سے آپ کو مالامال فرمادے۔ حضرت اقدس کو جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ پر فائز کردے۔ آپ حضرات کو اس عظیم صدمہ پر صبر اور صبر پر اجر عطا فرمادے۔ ان للہ ما اعطیٰ ولہ ما اخذ وکل عندہ باجل مسمّٰی فلتصبر ولتحتسب۔

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ یکایک حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ذریعہ سے حضرت مرشدی مرحوم کے انتقال کی اطلاع ہوئی۔ لیکن خط وکتابت بند ہونے کی وجہ سے عریضہ نہ لکھ سکا۔ عزیز محترم حضرت مولانا کے انتقال کی خبر بجلی ہو کر میرے قلب پر گری۔ بلا تشبیہہ ان کا انتقال ــــ موت العالم موت العالم ــــ کا مصداق ہے۔ وہ تو انشاء اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین میں نعمائے آخرت اور لقائے الٰہی سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ لیکن ہم رہ افتادگان کے لئے یہ سانحہ بہت سخت ہے۔ لیکن یہ سوچ کر صبر آجاتا ہے۔ کہ انہیں راحت حاصل ہوگئی۔ اور وہ اپنے مقصود حقیقی یعنی وصال الٰہی کو پہنچ

گئے ہیں۔ اور انشاء اللہ عالم آخرت میں اطمینان کے ساتھ ان سے ملاقات بھی ہوگی۔ یہ وقت محض چند روزہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ دو شعر جو ایک اعرابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر بطور تعزیت سنائے تھے یہاں نقل کر دوں۔ ان سے بہت تسکین ہوتی ہے۔

اصبر نکن بك صابرين فانما — صبر الرعية عند صبر الرأس

خير من العباس صبرك بعده — والله خير منك للعباس

مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات کا علم ہوا۔ بے حد صدمہ ہوا۔ علماء و صلحاء روز بروز دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ خلت الدیار محلها و مقامها۔ اور موت العالم موت العالم کا منظر نظروں کے سامنے آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کو ان کے علم و تقویٰ کا وارث بنائے۔ آمین۔ اور ہم سب کو ایمان پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔

مولانا جمیل احمد صاحب مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

ایک بے بدل شیخ اور بے نظیر عالم بے مثال صالح سے دنیا خالی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ امت کو بدل اور آپ سب کو سکون عطا فرمادیں۔ آپ سے زیادہ نقصان تو ساری امت کا ہے اسلام کا ہے۔ کہ اب نہ ایسے عالم پیدا ہو رہے ہیں۔ نہ ایسے بزرگ۔ اس لئے نقصان عالم اسلام کا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی مثیل و بدل عطا فرمادیں۔ یہ چند تاریخی مادے لکھ دئے ہیں۔

قطعات تاریخ وفات

اطیب	اولیاء	شیخ	عبد	الرحمٰن
۲۲	۴۸	۹۱۰	۷۶	۳۲۹

۱۳۸۵ھ

(قبر مبارک کے لئے)

جلوہ گاہ	شیخ	عبد	الرحمٰن
۷۰	۹۱۰	۷۶	۳۲۹

۱۳۸۵ھ

حضرت	مولانا	عبد الرحمٰن	کجا
۱۴۰۸	۱۲۸	۴۰۵	۲۴

۱۹۶۵ء

موت	العالم	الحق	موت	العالم
۴۴۶	۱۷۲	۱۴۹	۴۴۶	۱۷۲

۱۳۸۵ھ

شہید	گردید	حضرت
۳۱۹	۲۳۸	۱۴۰۸

۱۹۶۵ء

قبر	منزل	حضرت	مولانا
۳۰۲	۱۲۸	۱۴۰۸	۱۲۸

۱۹۶۵ء

آہ	شہید	کبیر	حضرت
۶	۳۱۹	۲۳۲	۱۴۰۸

۱۹۶۵ء

تاریخ وفات چونکہ جستم

داخل	بہشت ما	"ندا شد"
۶۳۵	۷۰۷	۴۱

۱۳۸۵ء

غفر	اللہ	لاآبائہ
۱۲۸۰	۶۶	۳۹

۱۳۸۵ء

مولانا عبدالرحیم اشرف ۔ مدیر المنبر لاہور

اس غم انگیز خبر سے بہت صدمہ ہوا۔ اکابرین یکے بعد دیگرے اٹھ رہے ہیں اور صدمہ کی شدت اس سے ہوتی ہے کہ ان کی جگہ پر کرنے والے موجود نہیں ہیں۔ اور فساد روزافزوں ہے۔ فالی اللہ المشتکی والیہ المرجع والیہ المآب۔ حضرت مرحوم کی وفات بحیثیت ایک عالم دین ایک خادم حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ اور ایک صالح شخصیت بھی الم انگیز تھی۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے ایسے عظیم المرتبت والد سے نوازا ہو اسکی حالت غم تو دوسروں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ بالخصوص ان کی مسلسل اور دل سے نکلنے والی دعاؤں کا تو بدل رحمت الٰہیہ کے کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ بیکن لن یصیبنا الا ماکتب اللہ لنا۔ اور یہ ایمان ویقین کہ ھو نعم المولی ونعم النصیر اس بنیاد پر اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد چراغ صاحب ۔ مؤلف العرف الشذی

آج صبح کیفال پارک لاہور سے ٹیلیفون پر سخت وحشتناک خبر ملی کہ حضرت الشیخ کا وصال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ وما اعطی۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر واجر بخشے۔ آمین۔ ایسے اہل علم وتقوی حضرات سے ہماری بدقسمتی سے زمین خالی ہوتی جا رہی ہے۔ اور ان کے بدل سے بھی حرمان ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمادے۔

ڈاکٹر غلام محمد صاحب ۔ مؤلف تذکرۂ سلیمانؒ

افسوس ہم لوگ ایک ایسی عظیم المرتبت جامع ظاہر وباطن شخصیت کے فیوض وبرکات سے محروم ہوگئے۔ مخدومی حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہٗ نے ایک مرتبہ ایک جملہ حضرت شیخ الحدیثؒ سے متعلق فرمایا تھا۔ جو ایک دفتر توصیف پر بھاری ہے۔ فرمایا مولانا کی قدر تو وہ پہچان سکے گا جسکو صحابہ کرامؓ کی زندگی پسند ہو۔ واقعی حضرت مرحوم ایسے ہی تھے۔ حقیقت یہی ہے کہ قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔ ہم لوگ وہ نظر بھی کہاں سے لائیں جو ان بزرگوں کی عظمت کا اندازہ لگا سکے۔ یاد آیا ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء کی بات ہے۔ حضرت مرشدی علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ کی خدمت میں راقم عاجز بھی حاضر تھا اور ماسٹر حشمت علی صاحب موصوف کا اصلاحی تعلق مخدومنا حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب قدس سرہٗ ہی سے تھا۔ اور اس جہت سے انہوں نے کچھ ذکر حضرت موصوفؒ کا کیا تو میرے شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا ان کی شان عالی کا کیا کہنا ایک ایک خط میں ایک ایک مقام طے کیا ہے۔ پھر احقر کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ نے اشرف السوانح میں مکتوبات رحمانی نہیں دیکھی۔ حضرت کے اس فرمانے سے ہم بے بصیروں نے سمجھا کہ اشرف السوانح میں خاص طور پر ان مکاتیب کو نقل کرنے کی کیا حکمت تھی۔ اور مکتوب نگار (اعلی اللہ درجاتہٗ) کا کیا مقام تھا۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ کم ہی لوگوں کی نگاہ

ان مکاتیب اور مکتوب نگار عالی کی عظمت پر ایسی گئی ہوگی۔ بہر حال بڑے اٹھ رہے ہیں۔ چھوٹے ان خصوصیات سے عاری ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔

مولانا محمود داؤد یوسف۔ رنگون

اس خبر سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ طبیعت ہرگز اس خبر کو سننے پر آمادہ نہ تھی مگر ہم بے کس بندے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے عاجز و درماندہ ہیں۔ اسی میں اپنی حقیقت کا کچھ پتہ چل جاتا ہے۔ حضرت اقدس قدس سرہٗ تو انعام واکرام سے نوازے جا رہے ہیں۔ ہم حضرت کے فراق میں غمگین ہو رہے ہیں۔ کاش کہ یا تو یہ خبر ہم تک مرنے تک نہ پہنچتی یا رمضان سے قبل ہی ہمیں اس کا علم ہو جاتا۔ مگر کیسے علم ہوتا جب اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی ذریعہ کیسے کارگر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان حکمتوں کا جاننے والا ہے۔

سید عمران الحسینی مدرسۃ الشرعیہ مدینہ طیبہ

حکم المھیمن فی الخلائق مبرم من ذا یرد قضائہ اذ یحکم

بعد التحیۃ والاحترام:۔ الصبر باللہ والحکم الی اللہ لا راد لقضائہ وقد تکدر خاطرنا وانزعج قلوبنا بوفاۃ والدکم الذی ھو فی الحقیقۃ والد الجمیع فاننا نعزی انفسنا سائلین اللہ تعالیٰ ان یفیض علیہ واسع رحمتہ ویعمہ بمغفرتہ ورضوانہ وان یلھمنا جمیعاً الصبر الجمیل وعظم اللہ اجرکم فاللہ اسئل ان یجعلہ اخر الاحزان وان لا یریکم مایکدر الخاطر عزائی للاخوان ولمولانا عبد الشکور صاحب۔

آہ حضرت مولانا عجیب نور صاحب رح

حضرت مولانا عجیب نورؒ کی شخصیت ان شخصیات میں سے تھی جو اپنے پیچھے فضائل و کمالات کی ناقابل فراموش دنیا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ انکی زندگی کا ایک ایک ورق بصیرت افروز ہے۔ طالب علمی کا زمانہ ہو یا تدریس کا ہو یا علمی و عملی کارناموں کا دور ہو۔ استاذ العلماء مولانا مرحوم جو محض بلند پایہ عالم ہی نہیں بلکہ طریقت و تقویٰ کے مقام پر بھی فائز تھے۔ ۱۳۰۶ھ میں ضلع بنوں کے مقام بوزہ خیل میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں بڑے بھائی صاحب کیساتھ علاقہ چھچھ بغرض تعلیم تشریف لے گئے وہاں چند سال ابتدائی تعلیم حاصل کرکے ٹونک (انڈیا) گئے۔ اور وہاں سے بھوپال جہاں آپ نے بیس برس کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ علوم ریاضی، فلسفہ، منطق، صرف وغیرہ کی تعلیم علامہ عبدالسلام قندھاریؒ سے حاصل کی بعد از فراغت اپنے وطن بنوں آئے۔ اور ایک سال تک درس دیتے رہے۔ اس کے بعد مراد آباد جاکر جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد مراد آباد میں نائب صدر کی حیثیت سے تیس۳۰ سال تک اعلیٰ علوم و فنون کی تدریس کی۔ اس عرصہ میں سینکڑوں تشنگان علم انکے علوم و فیوض سے سیراب ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد اپنے وطن بنوں آکر مدرسہ معراج العلوم کے نام سے ایک دینی مدرسہ کی داغ بیل ڈالی جس سے سینکڑوں افراد نے فائدہ اٹھایا اور حضرت کے اخلاص اور للہیت کی وجہ سے مدرسے نے علاقہ بھر میں مرکزی حیثیت حاصل کرلی۔ حضرت مولاناؒ کو کتابیں جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا۔ ان کی لائبریری میں دینی علوم و فنون کا بڑا مفید ذخیرہ موجود ہے جسکو حضرت نے مدرسہ کے نام وقف ہونے کی وصیت کی۔ حضرت مولاناؒ اہم فتاویٰ کا جواب خود لکھتے۔ ذہن اور حافظہ کا یہ عالم کہ کھڑے کھڑے پیچیدہ علمی مسائل کو حل فرما دیتے۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک بیوہ، تین لڑکیاں اور تین لڑکے چھوڑے۔ اللہ کے فضل سے تینوں فرزند اور ایک صاحبزادی حافظ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمادے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا ہو۔ آمین ــــ علم و فضل کا یہ تابناک ستارہ طویل علالت کے بعد ۸ مارچ ۱۹۶۶ء کو ٹوٹ گیا۔ اور علاقہ بھر کے مسلمانوں کے دل دہل گئے ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

سعودی عرب

وہ مقدس سرزمین جہاں سے اسلام کا آغاز ہوا، نجد کے حکمران سلطان ابن سعود نے ۱۹۲۶ء میں شریف حسین کو حجاز سے بیدخل کر کے موجودہ سعودی مملکت کی بنیاد ڈالی ۱۹۳۶ء میں پیٹرول کی دریافت سے پہلے ملک کی نوے فیصدی آمدنی کا انحصار حاجیوں پر تھا. لیکن اب حاجیوں سے ہونے والی آمدنی کل میزانیہ کے پانچ فیصدی سے زیادہ نہیں. کویت کے بعد اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ تیل سعودی عرب میں ہوتا ہے. اس آمدنی نے ملک میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے. خلیج فارس کی بندرگاہ دمام سے دارالحکومت ریاض تک ریلوے لائن بن گئی ہے. ترکوں کی بچھائی ہوئی حجاز ریلوے کی مرمت جلد ہی مکمل ہو جائے گی. جدہ اور مکہ معظمہ کے درمیان بھی ریلوے لائن بچھائی جا رہی ہے. چند سال قبل تک سعودی عرب اس قدر پسماندہ ملک تھا. کہ آج جب ہم اسکی ترقی کا ذکر کرتے ہیں تو لوگوں کو یقین نہیں ہوتا. جدہ، مکہ، اور ریاض جدید ترین شہر بن چکے ہیں. مسجد نبوی کی توسیع اتنے وسیع پیمانے پر ہوئی ہے. کہ آج وہ دنیا کی سب سے بڑی مسجد بن گئی ہے. حرم کعبہ کی توسیع عنقریب مکمل ہو جائے گی. ملک میں لوہے اور دوسری معدنیات کے کثیر ذخائر کا انکشاف ہوا ہے. اور ایسا معلوم ہوتا ہے. کہ وہ مشہور حدیث پوری ہونے والی ہے جس میں کہا گیا ہے. کہ "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ سرزمین عرب ایک بار پھر خوشحال نہ ہو جائے گی." سیاسی حیثیت سے بھی سعودی عرب کا مستقبل امید افزا نظر آتا ہے. شاہی اختیارات میں کمی ہو رہی ہے. شاہی خاندان کے اخراجات کم کئے جا رہے ہیں. نومبر ۱۹۶۴ء سے شاہ فیصل حکمران ہیں جو اپنے بھائی شاہ سعود (۱۹۵۳ تا ۱۹۶۴ء) کی معزولی کے بعد تخت نشین ہوئے ہیں ـــ دارالحکومت ریاض ہے. رقبہ ۸۰۰۰۰۰ مربع میل ہے. اور آبادی ۱۹۶۳ء کی مردم شماری کے مطابق اسی لاکھ ہے ــــ

سوڈان

رقبے میں اسلامی دنیا کا سب سے بڑا ملک یکم جنوری ۱۹۵۶ء کو آزاد ہوا۔ ۱۷ نومبر ۱۹۵۸ء کو جنرل ابراہیم عبود نے فوجی آمریت قائم کر دی۔ لیکن ۱۵ نومبر ۱۹۶۴ء میں عوام نے جنرل عبود کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب آئینی اور جمہوری حکومت قائم ہو چکی ہے اور سید خاتم خلیفہ وزیر اعظم ہیں۔ مصر کی طرح سوڈان کی بھی سب سے قیمتی پیداوار روئی ہے۔ آبپاشی کے منصوبوں پر تیزی سے عمل ہو رہا ہے۔ کئی قسم کی معدنیات دریافت ہو چکی ہیں۔ سوڈان کے باشندے اگرچہ سیاہ فام ہیں لیکن ان میں عرب خون شامل ہے سرکاری اور قومی زبان بھی عربی ہے۔ اسی لئے سوڈان کا شمار عرب ملکوں میں ہوتا ہے۔ جنوب کے تین صوبوں میں خالص نیگرو (حبشی) آبادی ہے۔ جو زیادہ تر مظاہر پرست ہے۔ کچھ عرصے سے سوڈان کا یہ جنوبی حصہ ملک کیلئے ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ خرطوم دارالحکومت ہے۔ اور جدید طرز کا شہر ہے۔

لیبیا

رقبہ میں پاکستان سے بھی بڑا لیکن آبادی کراچی سے بھی کم۔ صحرائے اعظم کا ایک حصہ ہے۔ صرف طرابلس اور بن غازی کے قریب کچھ زمین کاشت کے قابل ہے۔ لیکن دوسرے عرب ملکوں کی طرح پٹرول کے معاملے میں خوش قسمت ہے۔ تیل کی دریافت کو ابھی تین چار سال ہی ہوئے ہیں۔ لیکن پیداوار دو کروڑ ٹن تک پہنچ گئی ہے۔ اور جلد ہی چار کروڑ ٹن ہونے کی توقع ہے۔ صحرائے اعظم میں فزان کے صوبے میں لوہے کے ذخیرے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ لیبیا ۲۴ دسمبر ۱۹۵۱ء میں آزاد ہوا۔ آئینی بادشاہت ہے۔ اور محمد ادریس سنوسی بادشاہ ہیں۔

تونس

۲۰ مارچ ۱۹۵۶ء کو آزاد ہوا۔ جمہوری حکومت ہے، لیکن ایک پارٹی کی۔ حبیب بورقیبہ صدر ہیں۔ لوہا اور فاسفیٹ نکالا جاتا ہے۔ تونس دارالحکومت ہے۔ قیروان کا تاریخی شہر بھی اسی ملک میں ہے۔ رقبہ ۵۰۰۰۰ مربع میل ہے۔ اور آبادی ۴,۲۵۴,۰۰۰ ہے۔ اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ عیسائیوں کی تعداد ۱۲۰,۰۰۰ ہے۔ اور یہودیوں کی تعداد ۶۵,۰۰۰ ہے۔ عربی تونس کی قومی اور سرکاری زبان ہے۔ ۱۹۵۸ء میں اسلامی، فرانسیسی، اور تونسی نظام ہائے تعلیم کو یکجا کر کے ایک بالکل نیا نظام رائج کیا گیا جس کے تحت پوری نئی نسل زیور تعلیم سے بہرہ یاب ہوگی۔ ۱۹۵۶ء تک فوجی جمعیت زیادہ مضبوط نہ تھی۔ لیکن اس سال قومی فوج قائم کی گئی، جو تقریباً بیس ہزار افسروں اور سپاہیوں پر مشتمل ہے ■■

عجیب کی کتابِ البخلاء

لکھ پتی بخیلوں کے عجیب و غریب واقعات

وال اسٹریٹ لندن کی بیٹی گریٹ کو اپنے باپ کی وراثت سے دس لاکھ پونڈ ملے تھے۔ لیکن اس نے اس رقم میں اتنا اضافہ کر دیا کہ دو کروڑ پونڈ تک پہنچ گئی۔ یہ عورت کپڑوں کے استعمال کی بجائے اپنے بدن پر پرانے اخبار باندھ لیا کرتی تھی۔ تاکہ وہ سردی سے بچ سکے۔ وہ صابن بچانے کے خیال سے کئی کئی ہفتے نہایا نہیں کرتی تھی۔ برطانیہ میں ایک ریلوے لائن اسکی ملکیت تھی۔ مرنے سے پیشتر اس نے پادری کو خط لکھا کہ مجھ کو فلاں مقام تک جانا ہے۔ اور میرے پاس کوئی کرایہ نہیں ہے۔ مہربانی کر کے میرے لئے کرایہ کا بندوبست کر دو۔ چنانچہ اس کیلئے پادری نے کرایہ کا انتظام کر دیا۔

ایک اور کنجوس رسل سیج نے دو کروڑ پونڈ کی جائیداد پیدا کی لیکن بوڑھا ہونے پر بلکہ مرنے تک اس کے جسم پر وہی سوٹ رہا جو اس نے جوانی میں بنوایا تھا۔ وہ ناشتہ کے وقت بازار میں گھومتا رہتا اور سب سے ارزاں قسم کا کھانا تلاش کرتا اور اسکی قیمت میں کمی کرنے پر اصرار کرتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے دفتر سے ایک لڑکے کو سینڈوچ خریدنے کے لئے بھیجا۔ لڑکا تین پنس کی بجائے چھ پنس خرچ کر آیا۔ اس نے اسے ڈانٹا اور اسکی تنخواہ میں سے تین پنس کاٹ لئے اور کہا کہ اگر تو غریب نہ ہوتا تو میں تجھے نوکری سے جواب دے دیتا۔ اس کے دفتر کی یہ حالت تھی کہ دیواروں پر کبھی سفیدی نہیں ہوتی تھی۔ وہ دفتر کے لئے پرانے میز کرسیاں خرید لیا کرتا تھا۔ ۱۸۸۲ء میں اسے دو لاکھ پونڈ کا خسارا ہو گیا اگرچہ وہ تین کروڑ پونڈ کا مالک تھا۔ پھر بھی اسے اتنا صدمہ ہوا کہ اس نے ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا۔ اور اس خسارہ کو یوں پورا کرنے کی کوشش کی وہ اپنے سوٹ میں مرا جسے وہ پچاس سال سے پہنے چلا آ رہا تھا۔ چونکہ وہ لاولد تھا اس لئے اسکی ساری کمائی سے ایک رسل سیج فاؤنڈیشن قائم کر دی گئی۔

بعض اوقات کوئی خاص صدمہ انسان کے اوضاع و اطوار پر بہت بڑا اثر ڈالتا ہے۔ رابرٹ ہنٹنگٹن

۲۰، ۲۵ برس کی عمر میں بڑا شوقین مزاج تھا۔ وہ ایک تاجر کا لڑکا تھا اور ایک حسینہ کے دام محبت میں گرفتار تھا۔ اس نے ایک مہ جبین کو شیشے میں اتارنے کے لئے لاکھ جتن کئے، مگر ناکام رہا۔ اس واقعہ سے اس کے دل کو ایسا صدمہ پہنچا کہ اس کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ خوش پوش نوجوان ڈبرٹ دفعۃً متاثر ہوا اور عمر بھر پرانے چیتھڑوں میں ملبوس رہا۔ اس نے اپنے تمام ذاتی ملازموں کو برطرف کر دیا۔ اور بند بنگلہ کے ایک تاریک کمرہ میں رہنے لگا۔ اس نے اس واقعہ کے بعد عمر بھر کوئی نیا سوٹ نہیں بنوایا۔ باپ کی موت کے بعد باپ کے بہت سے کپڑے رہ گئے تھے وہ یکے بعد دیگرے ان کو پہنتا رہا۔ لیکن طریقہ یہ تھا کہ جب تک ایک سوٹ پھٹ نہ جاتا تھا دوسرا صندوق میں سے نہیں نکالتا تھا۔ اسکی زندگی کا انحصار دودھ اور روٹی کے ایک ٹکڑے پر رہا۔ البتہ پھل اسے اپنے باغ سے مل جایا کرتے تھے۔ اس کے کمرے میں کوئی فرش نہیں تھا اور کھڑکیوں کی صفائی عمر بھر نہیں کی گئی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پادری اس سے ملنے آیا۔ رات کا وقت تھا بات چیت کے دوران چراغ کا تیل ختم ہو گیا۔ اس نے تیل منگوانے کی بجائے پادری سے کہہ دیا کہ اندھیرا ہماری بات چیت میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتا۔ یہ سن کر پادری صاحب ہنس دیئے اور خدا حافظ کہہ کر چل دیئے۔ یہ کروڑپتی ۱۹۰۷ء میں انتقال کر گیا۔ اس وقت اس کے پاس ۹۰ لاکھ پونڈ تھے۔ حکومت نے اس کے قریبی رشتہ داروں کی تلاش شروع کی مگر کوئی ایسا شخص نہ مل سکا جو اسکی جائداد کا حقیقی وارث بن سکے۔

بقیہ : حدیث کی اہمیت

اسکو لے لیا کرو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جایا کرو۔)

چنانچہ ایک عورت نے حضرت ابن مسعودؓ سے عرض کیا کہ تم کیسے لعنت کرتے ہو واشمہ و مستوشمہ وغیرہ پر۔ حالانکہ قرآن میں ایسے موقعہ پر لعنت کرنا کہاں مذکور ہے۔ آپ نے فرمایا — لو قرآتیہ لوجدتیہ یعنی اگر تو قرآن پڑھتی تو اس حکم کو پا لیتی۔ اور آپ نے یہ آیت پڑھی۔ ما اتکم الرسول — الخ (یعنی جو چیز تم کو رسولؐ دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو یعنی ان کے امر کی تعمیل کرو۔ اور انہی سے باز رہو) اور چونکہ رسولؐ نے لعنت کی ہے۔ اس لئے میں بھی لعنت کرتا ہوں۔ اور رسول کے قول و فعل کی اطاعت کا وجوب قرآن سے ثابت ہے۔

غرض ابن مسعودؓ کے اس قول سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کا تبیانا لکل شئے (اس میں ہر چیز موجود ہے۔) ہونا عام ہے۔ کلیاً یا جزئیاً اور گو قرآن جزئیاً اس مضمون پر دال نہیں مگر کلیاً دال ہے اور حدیث جزئیاً دال ہے۔ اب یہ شبہ رفع ہو گیا کہ قرآن کافی ہے اور سنت کی حاجت نہیں پس اصل حجت اور شاہد حکم یہ دونوں ہیں۔ پس اگر کوئی دعویٰ ایک شاہد سے ثابت کیا جاوے تو کسی کو کہنے کا حق نہیں کہ ہم تو دوسرے شاہد کی شہادت سے مانیں گے۔ (وعظ۔ شعبان)

مولانا محمد زمان ڈیردی فاضل دار العلوم حقانیہ

بخاری اور دیگر کتب حدیث پر

تمنا عمادی کے الزامات کی حقیقت

قسط ۲

تو اگر مولانا موصوف اجماع کے خلاف یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کذب صریح تک موجود ہے تو ہم آپ کو یہ آیت ضرور سنانا چاہتے ہیں :

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له	اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی
الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین	اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں
نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت	کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے
مصیرا ۔	اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور

ڈالیں گے اسکو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا ۔ (ترجمہ : از شیخ الہندؒ)

پھر خود شیخ الہندؒ حاشیہ میں فرماتے ہیں : اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ اجماع امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے ۔ یعنی اجماع امت کو ماننا فرض ہے ۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا ۔

ہم علامہ موصوف سے اتنا ضرور عرض کریں گے ۔ کہ وہ اپنے علمی وقار کو قائم رکھتے ہوئے اگر ایسا نہ کریں تو بہتر ہے ۔ کیونکہ صحیح بخاری کی صحت میں اس وقت کوئی کلام کرنے کی گنجائش نہیں رہی

باقی محقق موصوف کا یہ کہنا کہ "جب میں صحاح ستہ کی ہر کتاب میں ایسی حدیثیں دیکھتا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم پر حرف آتا ہو ۔ قرآن مجید کی محفوظیت و لاریبیت پر زد آتی ہو "

مولانا محمد زمان ڈیردی فاضل دارالعلوم حقانیہ

بخاری اور دیگر کتب حدیث پر

تمنّا عمادی کے الزامات کی حقیقت

قسط ۲

تو اگر مولانا موصوف اجماع کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ اس میں کذب صریح تک موجود ہے تو ہم آپ کو یہ آیت ضرور سنانا چاہتے ہیں :

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له	اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی
الھدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین	اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں
نولہ ما تولیٰ و نصلہ جھنم وساءت	کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے
مصیرا۔	اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور

ڈالیں گے اسکو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔ (ترجمہ : از شیخ الہندؒ)

پھر خود شیخ الہندؒ حاشیہ میں فرماتے ہیں: " اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ اجماع امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے۔ یعنی اجماعِ امت کو ماننا فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔

ہم علامہ موصوف سے اتنا ضرور عرض کریں گے۔ کہ وہ اپنے علمی وقار کو قائم رکھتے ہوئے اگر ایسا نہ کریں تو بہتر ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری کی صحت میں اس وقت کوئی کلام کرنے کی گنجائش نہیں رہی

باقی محقق موصوف کا یہ کہنا کہ "جب میں صحاح ستہ کی ہر کتاب میں ایسی حدیثیں دیکھتا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم پر حرف آتا ہو۔ قرآن مجید کی محفوظیت و لاریبیت پر زد آتی ہو"

اور اسی طرح یہ کہنا کہ "ہر کتاب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی تھا خارجیوں کا بھی اور جبریوں کا بھی"
اس پر محقق موصوف نے اپنے دعویٰ کے ثبوت کیلئے کوئی دلیل پیش نہیں کی محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔
اگر آپ کے پاس کوئی قوی دلیل ہوتی تو ضرور بیان کر دیتے۔

صحیح بخاری پر کمی زیادتی کا الزام اور اس کا جواب

باقی کتاب میں شیعہ یا قدری کی روایت ہونے سے یہ کبھی لازم نہیں آتا کہ اس میں ان کا حصہ بھی تھا۔ البتہ مقالہ نگار نے آخر میں یہ ضرور کہہ دیا کہ " مثلاً باب الافک کی داستان والی لمبی حدیث کے بعد ایک مختصر سی حدیث کے بعد یعنی اس باب کی تیسری حدیث پڑھئے حدثنا ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن المغیرۃ الجعفی رحمۃ اللہ علیہ۔ فرمائیے کیا یہ امام بخاری کے بعد ان کے کسی شاگرد نے نہیں لکھا ہے۔ یا امام بخاریؒ خود لکھ رہے ہیں؟"

افسوس کہ علامہ موصوف کو اتنے لمبے چوڑے دعویٰ کیلئے ساری بخاری میں یہی ایک حدیث ملی ہے۔ اور اس سے بھی استدلال بہت کمزور ہے۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ ثابت کر دیں کہ یہ روایت امام بخاریؒ نے خود اپنی کتاب میں رکھی اور اسکی تخریج کی ہے۔ ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی تخریج خود امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں کی ہے نہ کہ کسی شاگرد نے اس میں داخل کر دی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر بخاری شریف کے ہر نسخہ میں یہ اضافہ موجود ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ آپ ذرا بخاری شریف مطبع دار احیاء الکتب العربیہ جلد ۳ صـ۱۱ کو اٹھا کر دیکھیں اس میں سند اس طرح مذکور ہے ـــــ حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل حدثنا ابو عوانہ عن حصین عن ابی وائل قال حدثنی مسروق بن الاجدع قال حدثتنی ام رومان وھی ام عائشۃ - الخ

اس میں یہ اضافہ بالکل موجود نہیں اسی طرح آپ عمدۃ القاری جلد ۸ صـ۲۷۴ اور فتح الباری صـ۳۵۱ ج ۷ اور الکواکب الدراری صـ۶۱ ج ۱۶ نکال کر دیکھیں یہ روایت بعینہٖ مذکورہ بالا سند سے نقل ہے۔ اور اس میں حدثنا ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل - الخ کا اضافہ نہیں ہے۔ اسیطرح بخاری مطبوعہ اصح المطابع جس میں یہ اضافہ موجود ہے۔ اس کے نیچے بین السطور میں صاف لکھا ہے کہ ولیس ھذا فی اکثر النسخ الموجودۃ۔ (یعنی یہ اضافہ دوسرے اکثر موجودہ نسخوں میں نہیں ہے۔) تو ایسے بہت سے نسخوں سے جن میں یہ اضافہ موجود نہ تھا صرف نظر کر کے ایک ہی نسخہ پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھنا سوء باطن اور تعصب و الحاد کا بیّن ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ مزید تائید کے لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ

یہ حدیث خود امام بخاریؒ کے پیش نظر تھی اور آپ نے ہی اس کا استخراج کیا۔ کیونکہ فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۲ اور عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۷۰ میں ام رومانؓ اور مسروقؒ وغیرہما پر لمبے چوڑے بحث کے بعد یہ جملہ نقل ہے فرماتے ہیں :

واخرج البخاری هذا الحدیث بناء علی ظاهر الاتصال ولم یظهر له علیه - انتهی

امام بخاریؒ نے اس حدیث کی تخریج متصل ہونے کی وجہ سے کی ہے۔ اور آپ کو اس میں کوئی خرابی معلوم نہ ہوئی۔

اسی طرح علامہ ابن حجرؒ فتح الباری ص ۳۵۲ پر یہ بھی نقل کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں :

وذکره الزبیر بن بکار باسناد منقطع فیه ضعف ان ام رومان ماتت سنة ست فی ذی الحجة وقد اشار البخاری الی رد ذلك فی تاریخه الاوسط والصغیر فقال بعد ان ذکر ام رومان فی فصل من مات فی خلافة عثمان روی عن علی بن یزید عن القاسم قال ماتت ام رومان فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم سنة ست قال البخاری وفیه نظر وحدیث مسروق اسند ای اقوی اسنادا وابین اتصالا۔

اور زبیر بن بکار نے ایک منقطع سند جس میں ضعف تھا۔ یہ ذکر کیا ہے کہ ام رومانؓ کی وفات ۶ھ ذی الحجہ میں ہوئی۔ اور امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اس کے رد کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تو آپ نے ام رومان کا ذکر ان لوگوں میں جو خلافت عثمانؓ میں وفات پا چکے ہیں ذکر کرنے کے بعد علی بن یزید سے جو قاسم سے روایت کرتے ہیں یہ نقل کیا ہے۔ کہ ام رومان کی وفات ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی تو اس پر امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اور فرمایا کہ مسروق کی حدیث سند کے لحاظ سے زیادہ مضبوط اور اتصال کے لحاظ سے زیادہ واضح ہے۔

تو اب ذرا غور فرمادیں کہ اگر امام بخاریؒ کے پیش نظر یہ حدیث نہ تھی تو یہ کیوں فرمایا کہ حدیث مسروق زیادہ قوی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث آپ کی نظر میں تھی اور اسکو قوی سمجھ کر اپنی کتاب میں داخل کیا۔ اور پہلی دلیل تو اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ خود امام بخاریؒ نے اسکی تخریج کی ہے۔

ہاں اس سے ہمیں انکار نہیں کہ اس وقت کے بعض طبع شدہ نسخوں میں یہ اضافہ موجود ہے۔ لیکن اس سے یہ کیا لازم ہوتا ہے کہ بخاریؒ کے شاگرد نے یہ روایت داخل کر دی ہے۔ اور اگر فی الواقع

ایسا ہوتا تو پھر چاہئے تھا کہ سب نسخ بخاری میں یہ اضافہ موجود ہوتا کیونکہ مطبوعہ نسخے سب بخاری کے شاگرد کے زمانہ کے بعد طبع ہوئے ہیں۔ اور اسی نسخہ سے نقل کئے گئے۔ حالانکہ ہم نے آپ کے سامنے تین چار کتب کے حوالے صفحات کے ساتھ پیش کر دیئے۔

بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا نسخہ بھی نہیں ہے۔ صرف کاتبین کی غلطی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی دوسرا نسخہ ہوتا یا شارحین علامہ ابن حجر اور بدرالدین العینی کے زمانہ میں اس قسم کے نسخے موجود ہوتے تو وہ اپنی عادت کے مطابق اس پر ضرور کچھ لکھ دیتے، جیسا کہ وہ نسخ مختلفہ کا ذکر اپنی کتب میں کر دیتے ہیں۔

تو مولانا موصوف جیسے شخص کیلئے جس کی نظر میں مختلف قسم کی کتابیں اور مختلف نسخے موجود ہوتے ہیں، اس قسم کی داد تحقیق دینا بڑی نازیبا حرکت ہے۔ مندرجہ بالا کتب کو علامہ موصوف خود اٹھا کر دیکھیں کہ کیا ان میں اس اضافہ کے ساتھ سند موجود ہے یا نہیں۔ اگر نہیں، تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی معاند نے عناد کی وجہ سے یا کاتبین نے غلطی سے اسکو سند میں ٹھونس دیا۔ اور ایسی غلطیوں کا ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ آجکل کاتبین سے کلام اللہ (قرآن مجید) کی کتابت میں زمین و آسمان کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ تو ایک شخص وہ نسخہ قرآن شریف جس میں یہ غلطی پائی گئی اٹھا کر یہ کیسے کہہ سکتا ہے۔ کہ اس میں بعد کے لوگوں نے کمی بیشی کی ہے۔ اس لئے وہ قابل اعتبار نہیں (معاذ اللہ) ایسے شخص کو سب پاگل اور بیوقوف سمجھ کر اسکی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ نیز کلام اللہ کی حفاظت کی ذمہ داری تو خود ذات خداوندی نے لی ہے۔ اسی طرح اگر حدیث کی کتابوں میں رد و بدل کی جائے تو انشاء اللہ ایسے محدثین ضرور موجود ہیں کہ وہ یہ بتا دیں گے کہ حدیث صحیح یہ ہے۔ اور اسکی سند صحیح یہ ہے۔ اور فلاں نسخہ صحیح میں ذکر ہے —— تو کسی نسخے میں غلطی کا پایا جانا اس کتاب میں کذب صریح موجود ہونے کو مستلزم نہیں صحیح نسخوں سے اس غلطی کی تلافی کی جا سکتی ہے۔

کیا امام بخاریؒ اپنی کتاب تکمیل تک نہیں پہنچا سکے؟

اسی طرح علامہ موصوف نے اپنے اس قول کہ امام بخاریؒ اپنی کتاب تکمیل تک نہیں پہنچا سکے تھے۔ مسودہ ہی چھوڑ کر راہی جنت ہو گئے۔ وہ زمانہ اقبال کا تھا شیعہ سنی کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا۔ قدریہ، جبریہ، خارجی سب فرقے ملے جلے تھے اس لئے ہر کتاب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی تھا۔ خارجیوں کا بھی اور قدریوں اور جبریوں کا بھی" کیلئے سرے سے کوئی دلیل ہی پیش نہیں کی جس کی مخالفت ہم ظاہر کرتے —— لیکن پھر بھی ہم چند اقوال اس بات پر پیش

کرتے ہیں کہ مصنف نے اپنی کتاب تکمیل تک پہنچائی۔ اس کے مقابلہ میں اگر کسی مرجوح قول میں یہ ذکر ہو کہ وہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری صفحہ اور صفحہ ۴۹۱ میں مندرجہ ذیل قول نقل کر رہے ہیں:

وقال ابوجعفر محمود بن عمرو العقیلی لما صنف البخاری کتاب الصحیح عرضہ علی احمد بن حنبل ویحییٰ بن معین وعلی بن المدینی وغیرھم فاستحسنوہ وشھدوا لہ بالصحۃ الا فی اربعۃ احادیث قال العقیلی والقول فیہا قول البخاری وھی صحیحۃ۔

ابوجعفر محمود بن عمرو العقیلی فرماتے ہیں کہ جب امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کو تصنیف کیا تو اسکو احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی پر پیش کیا تو انہوں نے اسکی بہت تعریف کی اور چار احادیث کے علاوہ اسکی صحت کی شہادت بھی دے دی۔ امام عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار احادیث میں امام بخاری کا قول معتبر ہے یعنی وہ صحیح ہیں۔

اسی طرح صفحہ ۴۸۷ پر رقمطراز ہیں:

قال محمد بن ابی حاتم الوراق سمعت محمد بن اسمٰعیل یقول لو نشر بعض استاذی ھؤلاء لم یفھموا کیف صنفت البخاری ولا عرفوہ ثم قال صنفتہ ثلاث مرات۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو یہ کہتے سنا کہ اگر ان لوگوں پر حقیقت کھل جائے کہ میں نے بخاری کس طرح تالیف کی تو متحیر ہو کر رہ جائیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے صحیح بخاری کو تین مرتبہ تصنیف وتالیف کی شکل دی۔

پھر فرماتے ہیں:

قال وراق قلت لہ تحفظ جمیع ما ادخلت فی مصنفاتک فقال لا یخفی علی جمیع ما فیہا وصنفت جمیع کتبی ثلاث مرات۔

محمد بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ سے میں نے عرض کیا کہ وہ چیز جو آپ نے اپنی تصنیفات میں داخل کی ہیں وہ آپکو یاد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں میں کوئی چیز مجھ پر مخفی نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے ہر کتاب کو تین مرتبہ تصنیف کیا ہے۔

اسی طرح علامہ کوثریؒ نے شروط الائمۃ کے مقدمہ صفحہ پر لکھا ہے:

ولد بخاری سنۃ اربع وتسعین

علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی

ومائة وارتحل لطلب الحديث	پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی اور آپ نے
وتنقل فی البلاد و ابتداء تراجم	حدیث کے طلب کرنے میں بہت سے
ابوابه الجامع الصحيح بالحرم الشريف	شہروں کے سفر کئے اور آپ نے اپنی
ولبث فی تصنيفه ست عشرة	کتاب کے تراجم کی ابتداء حرم شریف میں
سنة بالبصرة وغيرها حتى اتمه	کی اور صحیح بخاری کی تصنیف کے دوران
ببخارى ومات بخرتنك قريب	سولہ سال تک آپ مختلف شہروں یعنی
سمرقند سنة ست وخمسين	بصرہ وغیرہ میں رہے۔ یہاں تک کہ اسکو
ومائتين۔	شہر بخاری میں ختم کر دیا اور آپ کی وفات

۲۵۶ھ میں خرتنگ میں ہوئی جو سمرقند کے قریب ہے۔

کیا مذکورہ دلائل سے واضح طور پر ثابت نہیں ہو رہا۔ کہ مصنفؒ اپنی زندگی میں اسکی تالیف وتکمیل سے فارغ ہو چکے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ نے تو بخاری شریف سمیت اپنی ہر تصنیف کی دو تین مرتبہ نظر ثانی اور تصحیح کی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ کتاب ختم تو نہ ہو اور بڑے بڑے آئمہ کی خدمت میں اسکو تصدیق کیلئے پیش کر دیا جاتا اور وہ اس پر مہر تصدیق وتصویب بھی ثبت فرما دیں۔

مرجوح روایت کی حقیقت

باقی اس بارہ میں وہ مرجوح روایت جس سے تمنا عمادی اثبات مدعٰی کر سکتے ہیں۔ نقل کرنے کے بعد ہم اس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ ابوالولید الباجیؒ ابواسحٰق المستملی سے نقل کرتے ہیں۔ کہ :

انتسخت البخاری من اصله الذی	ابواسحٰق المستملی فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح
کان عند صاحبه محمد بن یوسف	بخاری کو نقل کیا۔ اس اصل سے جو امام بخاریؒ
الفربری فرائیت فیه اشیاء لم تتم	کے شاگرد محمد بن یوسف فربری کے ساتھ
واشیاء مبیضة منها تراجم لم یثبت	موجود تھا۔ تو میں نے اس میں بعض ایسی
بعدها شیا - الخ	چیزیں دیکھیں جو پوری نہ تھیں اور بعض
	ایسے تراجم تھے جنکا ذکر نہ تھا۔

تو اس کا جواب ملا چلپیؒ نے کشف الظنون صـ ۳۶۳ پر دیا ہے۔ بحث اس نے طویل کی ہے۔ یہ اس کا اقتباس ہے۔ فرماتے ہیں :

وفی قول الباجی نظر من حیث	یعنی ابوالولید الباجی کے قول میں نظر ہے۔

الى الكتاب قرئ على مؤلفه ولاريب (یعنی صحیح معلوم نہیں ہوتا) اس لئے کہ کتاب
انه لم يقرء عليه الا مرتبا مبوبا جامع صحیح مصنف پر بار بار پڑھی گئی اور اس
فالعبرة بالرواية - الخ میں تو کوئی شک نہیں کہ کتاب نہیں پڑھی جاتی
مگر مبوب اور مرتب (یعنی جب ترتیب کتاب نہ ہو تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مصنف
پر کتاب پڑھی گئی) تو لامحالہ اعتبار روایت ہی کا ہوگا۔
اور علامہ ابن حجرؒ نے بھی مقدمہ فتح الباری ص۱۲ میں اسطرف اشارہ کر دیا۔ فرماتے ہیں:
ربما اكتفى احيانا بلفظ الترجمة التى یعنی امام بخاریؒ بعض وقت ایسے ترجمہ
هى لفظ حديث لم يصح على شرطه پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو الفاظ حدیث ہوتے
واورد معها اثرا او آية فكانه يقول ہیں۔ لیکن وہ حدیث آپکی شرط پر نہیں
لم يصح فى الباب شئ على شرطى وللغفلة ہوتی اور پھر اس کے ساتھ کوئی اثر یا آیت
عن هذه المقاصد الدقيقة اعتقد قرآنی ذکر کرتے ہیں۔ گویا ان کا مقصد یہ
من لم يمعن النظر انه ترك الكتاب ہوتا ہے۔ کہ اس باب میں میری شرط پر
بلا تبييض - کوئی حدیث نہیں۔ لیکن ان دقیق اور باریک
مقاصد سے غفلت کی وجہ سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ آپ نے کتاب کو تمام کرنے
سے پہلے چھوڑ دیا تھا۔
تو معلوم ہوا کہ مصنف نے کتاب کو ضرور پورا کیا تھا۔ اور شاگردوں نے آپ کو بار بار سنائی
لیکن بعض دقیق مقاصد کی وجہ سے جب مصنف نے اغلاق و ابہام وغیرہ سے کام لیا تو اس نے بعض
لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیئے کہ آپ کتاب کو ختم کرنے سے پہلے راہی جنت ہو گئے۔
——— باقی آئندہ ———

بقیہ: دیارِ محبوبؐ
کیونکہ طب نبویؐ سے وہ سعادتمند مستفید ہو سکتے ہیں، جو اس کو قبول کر کے شفایابی کا عقیدہ اور اس پر
مکمل ایمان ویقین رکھتے ہوں۔ جیساکہ قرآن مجید جو (شفاء لما فى الصدور) دل کی بیماریوں کو شفا دینے
والی دوا ہے۔ حالانکہ منافق لوگ اس مقدس کتاب سے ضد وعناد رکھنے کی وجہ سے اپنے نفاق وکفر
میں مزید بڑھتے رہتے ہیں۔ طب نبویؐ سے طب ابدان کی کیا مناسبت طب نبویؐ تو طیب وطاہر
ابدان سے وابستہ ہے۔ جیساکہ قرآنی شفا پاکیزہ ارواح اور زندہ دلوں سے متعلق ہے۔ پس طب نبویؐ
سے بعض لوگوں کا اعراض ایسا ہی ہے جیساکہ قرآنی شفا (جو نفع بخش شفا ہے) سے اعراض اور لوگوں کا
یہ انحراف اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دوائی کی نفع رسانی میں قصور ہے۔ بلکہ ان لوگوں کی قلبی خباثت
اور حق سے انحراف شفایابی میں حائل ہے۔

احوال وکوائف دار العلوم حقانیہ

حضرت مہتمم صاحب کی تقریر

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ نے ۱۰ ذی الحجہ کو نماز عید سے قبل اکوڑہ خٹک کے وسیع وعریض عیدگاہ میں اکوڑہ اور مضافات کے ہزاروں مسلمانوں کے اجتماع میں قربانی کی اہمیت اور حقیقت پر بصیرت افروز تقریر فرمائی ـــ

آپ نے ان شبہات وشکوک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ شیطان نے بھی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی سے منع کرنے کے لئے کئی بار کوشش کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھر پھینک کر اسے دھتکارا جسکی یاد آج تک رمی جمرات کی شکل میں جاری ہے۔ چنانچہ حجاج ہر سال ابلیس سے بیزاری کے اظہار کے لئے کنکریاں پھینکتے ہیں۔ آج بھی انسانی شکل میں ایسے شیاطین موجود ہیں، جو ہر سال قربانی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ آج کہا جاتا ہے کہ قربانی پر اتنی دولت کیوں ضائع کی جارہی ہے۔؟ کاش! انہیں معلوم ہوتا کہ مال وجان سب کچھ قربان کرنے سے بھی اگر مولیٰ راضی ہو جائے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ سراسر خوشی اور کامرانی ہے، ہرگز ہرگز خسارہ نہیں۔ پھر اقتصادی لحاظ سے بھی مال ضائع ہوتا کہاں ہے؟ غریب لوگ سال بھر حیوانات پال کر اچھے داموں فروخت کر دیتے ہیں، اور ساری رقم اور منافع مسلمانوں ہی کے گھروں میں پہنچ جاتا ہے۔ کہیں باہر تو نہیں جاتا۔ کروڑوں روپے کی تجارت ہو جاتی ہے۔ اس کا گوشت غریب پیٹ بھر کر کھا لیتے ہیں، ہڈیاں کھاد وغیرہ کے کام آجاتی ہیں۔ اور ہزاروں لوگوں کا کاروبار اس سے قائم ہے۔

آج ملک کو معاشی مسائل کا سامنا ہے۔ اور اس کا حل اسلام کے ایک ایک ستون گرانے میں سمجھا جارہا ہے۔ بجائے اس کے کہ اقتصادی ترقی کے لئے اپنی خواہشات، فحاشی اور بے حیائی کو روک دیا جائے اس کا حل بھی قربانی بند کرنے اور اولاد کی پیدائش روکنے کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔ اسلام اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی مسئلہ ان طریقوں سے حل نہیں فرمایا، بلکہ تعلیم دی کہ اے مسلمانو! زندگی کا زیادہ حصہ اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دو۔ تمہارے رزق کا کفیل خداوند کریم ہے۔

۱۔ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔ الآیۃ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بڑا روزی دینے والا زبردست طاقت والا ہے۔

۲۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ الآیۃ۔ اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر اسکی روزی اللہ پر ہے۔

۳۔ وکاین من دابۃ لا تحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم۔ الآیۃ۔ اور بہت سے جاندار ہیں جو اپنا رزق

اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے۔

۴۔ امن ھذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ بل لجوا فی عتو ونفور۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے گا۔ اگر وہ اپنی روزی بند کرے کچھ نہیں بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں اڑے بیٹھے ہیں۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ وسائل رزق کو بھی پوری طرح کام میں لاؤ۔ اور سچائی اور دیانت کے اصولوں کی بنا پر تجارت بھی کرو۔ ملازمت اور زراعت بھی کرو۔ ملک کا چپہ چپہ جو قدرتی خزانوں سے بھرا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ مگر خالق سے غافل نہ ہونا ——— ! یہ نہیں کہ تلاش رزق میں نہ نماز کا موقع نہ جہاد کی فکر۔ باہمی ہمدردی اور ادائے حقوق کا خیال رکھو ——— دوسری چیز اسلام نے یہ بتائی کہ حصول رزق میں محرمات جوا، سود، رشوت، ظلم اور چوری وغیرہ سے احتراز کرو۔ اسراف اور فضول خرچی سے منع فرمایا۔ کہ یہ جوا، سود اور سینما بینی پر دولت کی تباہی یہود اور نصاریٰ کے کام ہیں، مسلمانوں کے نہیں۔ اس کے ساتھ اسلام میں شراب اور خنزیر اور اسی طرح کی تمام اشیاء کو حرام قرار دیا۔ حلال اور حرام سب واضح کر دیا گیا۔ اور بتایا کہ حلال سے استفادہ کرو اور حرام سے ہر طرح بچو ——— تیسری چیز کی تعلیم دی کہ غربت و امارت دونوں اللہ کی طرف سے ابتلاء و امتحان ہیں۔ فرمایا امیر کے پاس جو فالتو دولت ہے وہ حاجتمندوں کو دے۔ اگر دس کماؤ اور آٹھ اپنی ضروریات میں خرچ کرو تو دو مساکین اور مستحقین پر لگاؤ۔ اپنی دولت کو قارون کی طرح ذاتی کمائی نہ سمجھو بلکہ اسے خلق خدا کی بھلائی، ملک کی ترقی، دین کی اشاعت اور آخرت کے لئے خرچ کرو۔ غرض حضور کے مقرر کردہ منصوبہ بندی سے کام چلے گا نہ کہ خاندانی منصوبہ بندی سے۔ یاد رکھو اسلام کے فطری طریقوں کو چھوڑ کر اور بھی تباہی اور بربادی کے گڑھے میں جا گرو گے۔ واللہ العظیم ان ناجائز طریقوں سے تمہاری دنیاوی پریشانیاں مزید بڑھ جائیں گی۔ تقریر کے اختتام پر آپ نے ملک میں عام بے دینی کی لہر اور اسلامی غیرت و حمیت کی کمزوری پر شدید افسوس کا اظہار کیا۔ اس ضمن میں آپ نے چین کے صدر لیو شاؤچی کے استقبال میں جوان لڑکوں کے رقص و سرود اور طالبات کے ناچ گانوں کو خاص طور سے ہدف تنقید بنایا کہ یورپ اور غیر مسلم اقوام کی تہذیب ہم پر چھا رہی ہے۔ اپنی روایات اور قومی و ملی احساسات کو برسر بازار رسوا کیا جا رہا ہے۔ کافر قومیں اگر یہ سب چیزیں فیشن سمجھتی ہیں تو ہمیں کہاں زیب دیتا ہے کہ ان کی تقلید میں قوم کی بیٹیوں کو یوں برسر عام نچوائیں۔ کیا خداوند کریم نے ہمیں دشمن سے اس لئے بچایا کہ روس امریکہ اور چین کے صدر آئیں تو ہم عورتوں کو نچوا کر ان کی خوشنودی کا سامان مہیا کریں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا ایک اسلامی ریاست کی غیور قوم کی یہ روایات ہو سکتی ہیں۔ آج ملک کے تمام اخبارات نخش تصویروں اور رقص و سرود کے مناظر سے بھرے پڑے ہیں۔ کیا کافر اقوام کے سامنے ہماری یہی اسلامیت اور قومی روایات ہیں ؟ ۔ اسلام اور

ایمان سے عاری شاستری ترماسکو سے اپنے لئے تاشقند میں گائے کا دہی منگواتا ہے۔ اور غیروں کے سامنے اس طرح اپنے ایک معمولی اصول پر پختگی کا اظہار کرتا ہے۔ مگر ہم اپنی تہذیب کو اس طرح سڑکوں پر رسوا کریں ـــ

یاد رکھو! اس بے حیائی، ناچنے اور گانے سے قومیں غرق ہوئیں۔ اگر مسلمانوں کی اکثریت ان شرمناک پروگراموں پر واہ واہ کرتی رہے۔ اور اسے تہذیب و ترقی کی علامت سمجھنے لگے اور اس پر قلبی ناراضگی اور بیزاری کا اظہار نہ کیا تو خطرہ ہے۔ کہ خدانخواستہ ایک عام عذاب خداوندی ہمیں آنہ گھیرے۔ یا اللہ ہماری لغزشوں سے درگزر فرما اور بعض کی نادانیوں سے ملک و قوم کو اپنی رحمتوں سے دور نہ فرما۔ اور ہمارے اس عزیز ملک کو اسلامی تہذیب سے مالا مال کردے۔

واردین و صادرین

ایک سفر کے دوران بقیۃ السلف شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین مدظلہٗ غورغشتی دارالعلوم تشریف لائے اور کافی دیر تک دفتر میں قیام فرمایا۔ دارالعلوم کے ظاہری و معنوی ترقیات کے لئے دعائیں فرمائیں اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کی معیت میں مدرسہ تعلیم القرآن جلوزی کے جلسہ میں شمولیت کیلئے تشریف لے گئے۔

تعمیرات دارالعلوم

جامع مسجد دارالعلوم کے دروازہ اور سبیلوں پر چھت ڈالنے کا کام پوری تیزی سے جاری ہے۔ فوری ضرورت کی بنا پر دارالاقامہ میں مزید تین کمروں کی تعمیر ہو رہی ہے۔ ان تعمیراتی سرگرمیوں کی وجہ سے دارالعلوم کا عظیم جلسہ دستار بندی (جس کا انعقاد عرصہ سے زیر غور ہے) میں مزید تاخیر ہو رہی ہے۔ توقع ہے کہ اب یہ تاریخی اجلاس ستمبر یا اکتوبر میں منعقد ہو سکے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

(سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام)

ہمارے معاونین

پچھلے چند دنوں میں حسب ذیل افراد نے الحق کی فروغ و اشاعت میں حصہ لیتے ہوئے خریدار مہیا فرمائے ہم ان سب حضرات کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ اور توقع رکھتے ہیں۔ کہ قارئین الحق اور احباب و مخلصین کے وسیع حلقہ کے دیگر حضرات بھی اپنے مساعی جمیلہ سے الحق کی سرپرستی فرما کر اس کے خریدار مہیا فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس دعوت حق کی اشاعت کا ذریعہ بننے پر انہیں اجر جزیل عطا فرماوے۔

جناب محمد صدیق و حافظ حبیب الرحمان صاحبان رسالپور۔ ۲۳ خریدار ـــــ جناب حضرت صاحبزادہ نور الٰہی صاحب جلباری۔ مندرہ۔ ۱۰ خریدار ـــــ مولانا نذیر اللہ خان صاحب (فاضل حقانیہ) گلگت۔ ۵ خریدار ـــــ مولانا محمد صادق صاحب (فاضل حقانیہ) جلاس گلگت ۳ خریدار ـــــ مولانا عبدالقیوم صاحب (فاضل حقانیہ) شیر یاؤ چارسدہ ۶ خریدار۔ مولانا جلال الدین صاحب ڈیروی (فاضل حقانیہ) بھیرہ۔ ۲ خریدار ـــــ جناب ماسٹر غلام نبی صاحب آفریدی اسٹیشن اکوڑہ ۴ خریدار ـــــ مولانا قاضی فضل دیان صاحب (فاضل حقانیہ) عمرزئی ۲ خریدار ـــ جناب عبید الرحمٰن صاحب ایم۔ ایس۔ سی لیکچرار گورنمنٹ کالج نوشہرہ ۲ خریدار ـــــ جناب محمود الحق حقانی ایم۔ اے۔ ایس۔ بی لیکچرار اسلامیہ کالج پشاور ۱۶ خریدار۔